

آسمان روشن ہے



شرچند

ہمارے حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : آسمان روشن ہے
مصنف : کرشن چندر
کتابت : محمد عارف سہیلانی
سداشات : ۲۰۰۰ء
مطبوعہ : فوٹو انٹریٹ پرنٹرز دہلی

قیمت : 100/-

ISBN 88333-00-2

L. ASMAN KOSHAN HAI (NOVEL)
by
KRISHAN CHANDER

Rs. 100/-

ARAVALI PUBLISHER'S
4, Vijay Market, Raigarh
(Near Bhagya Laxmi Appurment's)
Sector-8, Rohtak, Delhi-110005

آسمان روشن ہے

کرشن چندر

آسمان روشن ہے

(ناول) -

اس ناول کے تمام واقعات کردار اور نام
فرضی ہیں، مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی،
اور اس کے لئے مصنف اور ناشر
بری الذمہ سمجھے جائیں گے۔

اراولی پبلیشرز
۴۔ وے مارکیٹ - رضا پور، نزد سہاگ لکشی پارکس
سیکٹر ۳ روہنی - نئی دہلی ۱۱۰۰۹۵

وہ جیل سے چلیں جو کہ کھڑے لایا تھا اور نہ پا جانتا تھا۔ اس طرح کے لئے اس نے کھڑے کے سب سے عمدہ ہوئی روز میں ایک کانچے کاسے پر بی۔ سات دن کے لئے۔ سات دن تک وہ کھڑے کی کلاصورت کوٹیا میں رہ کر رہا ہے۔ وہ اس کے جیل سے پختہ ہونے ہی سوچ لیا تھا۔ ابھی میں وہ نہ پا جانتا تھا۔ اپنے تنگ غیث میں جیل کے مکان کے سامنے، کسی کوکل گاڑی کے کھڑوں کے چنگ، ہزاروں کے خیریت ہمارا رکھا۔ سات پانچ ٹھوپ ٹھوپ کر بیٹھ چلائی ہوئی موت بھی اسے پسند تھی۔ لہذا اس کی نفاست پسند طبیعت نے مغربی گھاٹ میں ایک گھنٹے کی طر تھیکے ہوئے کھڑے ایسے کلاصورت تمام کوئی موت کے لئے پسند کر لیا۔ اور اپنے ٹیکسوں پر جتنا روپیہ تھا وہ سب نکھو کے کھڑے پلا آیا۔ اب اس کے پاس اتنی رقم موجود تھی کہ وہ بڑھیا سے بڑھیا ہوئی میں سات دن تک جی کلاصورت اور مرتجع زندگی بسر کر سکتا تھا۔ ایک کلاصورت ٹول کی طر۔ اس کے بعد وہ چپکے سے ہائے گاڑی میں جیت جی ٹول میں اپنی طبیعت کے سات دن بعد پہنچا تو۔ مگر یہ سات دنوں کی غیور رہی گی کیا کوئی کم ہوتی ہے! مشیت الہیہ کائنات میں کر دہوں بہت سے شیخ حیرت نے ستاروں کا حسن دیکھا۔ مگر کئی شیخ حیرت میں حیرت درجی میں نہ گیا۔ صرف شاد سے باقی رہ گئے۔ ابدی میں کو بھی انجام نہ جاتا ہے۔ لیکن مغربی گھاٹ پر جب بادل جس طرح کے قہر پاتے تو یہ درازات کی نہ نانی ت۔ زمین کے پیچھے سے آتی ہوئی کناریں جب آگے نکلیں، کے ساتھ زمین جگمگاتی تھی۔ اس طرح

[illegible]

اس نے سوچ لیا تھا کہ مرنے سے پہلے اس کی زندگی کی جھلکیاں اسے مل جائیں گی۔ صرف سات تھے۔ اس کے بعد وہ سیریا (ا) جائے گا جس کے کاروبار پر وہ دو دو تھاکہ کوئی زادگ نہیں ہے۔

[illegible]

جہانزیوں کی زندگی کے حلق ایک ایک گھنٹے کی گوشش کر رہا تھا۔ ایک ایک جگہ ایک ایک دور مس موخر کی شریک پر ہاتھ نہ رکھ سکا تھا۔ اسی لئے وہ بار بار ویلا نہ پڑ کے چائے خانوں میں دیکھا جاتا تھا۔ بہت سے جہانزیوں سے اس کی دوستی آپ سے تم اور تم سے گلی ایک پہنچ چکی تھی۔ جہانزیوں کی گلیوں میں ایک بہت انگیز مصوری ہوتی ہے جس پر کسی تو گلیوں کی تمثیلیت اور کسی پر سو کی مبالغہ بازی کو گناہ ہے گناہ بار یہ گلیاں ٹھنڈے سینے سے خیال آتا تھا کہ اگر یہ گلیاں تصویروں کی طرح کسی ناخوش میں دکھائی جائیں تو ہر بیت کے دیر کا شرم سے اچھا منہ چھپاتے پھر یہ اس خند و غلیظ معلوم ہوں وہ ان گلیوں کے مصوروں کے سامنے مگر عقل و دانش کی اس دنیا کو کیا کہنے کہ وہ ذہل ایسے مصوروں کو تو پہنچ جاتے ہیں ان کی کار جہانزیوں کو بے نام و نشان چھوڑ دیتی ہے۔ وہ ایک روز پائے خانے کی ایک میز پر چڑھا جو جہانزیوں کی ایک ٹولی کو اپنا ایک حجامہ افسانہ سنا رہا تھا کہ اس نے صوس کیا کہ ایک ٹولی اس کی کرسی کے پیچھے آ کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے پلٹ کے دیکھا تو اس ٹولے چلے گئے وہ پیچھے ہوتے گلیوں والے سارے رنگ کے آدمی نے جس کے پیچھے رہ کر کہیں ایک چمک کے نشان تھے اسے اشارے سے راجا افسانہ جاری رکھنے کے لئے کہا۔ چنانچہ وہ فوراً ہی پلٹ کر اپنا افسانہ پھر سے سنانے میں مصروف ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے صوس کیا کہ وہ تو ہی ایک کرسی کسے کا اس کے قریب بیٹھ گیا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے صوس کیا کہ اس کے حجامہ افسانے میں جہانزیوں کو کتنا لطف پہلے آ رہا تھا اب نہیں آ رہا۔ ان کی ہنسی مسکراہٹوں میں وہ گئی۔ مسکراہٹیں ہنسون کے کدروں میں نہایت عجیب تھیں تھوڑی دیر کے بعد سب افسانہ ختم ہوا تو ایک ایک کے سارے جہانزی وہاں کسے کسے اور وہ ٹولے چلتے آدمی کے ساتھ آ کر کھڑا گیا اور اس نے ترے ٹھٹھے سے اس ٹولی کی طرف دیکھا جس نے اس ناخوشیت عقل کر دیر پر دم کر دیا تھا۔ شکل و صورت اور لباس اور ہلار سے یہ آدمی ایک افسردہ گلی کی صورت تھا

اور ایک آئینہ دوسری دنیا کا ہوتا ہے جس کی سطح جہازوں کی دنیا سے الگ ہوتی ہے اور جب کبھی وہ دونوں دنیاؤں میں ملتی ہیں تو ان کی گڑبگڑ کے کچھ پتے پڑنے کو گاہیں ہوتے ہیں۔ اس نے اس خاموش دھماکے کو افسانہ دہشتہ سناتے سناتے غصوں کر لیا تھا۔ اور اسی نے اب وہ فتنے سے اس کو بچے چھتے آئینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

گوپے پچھلے آدمی نے اپنا تعارف کرانے سے پہلے اس سے پوچھا کیا آپ مشہور ناول نگار اسحاق ہیں؟

اسحاق نے زور سے میز پر ہاتھ مار کر کہا : میں اسحاق ہوں کہ چٹائی ہوں کہ بے باقی ہوں آپ کو اس سے کیا؟ اس دھن اور موزیک کے گیتوں کی کیا ضرورت تھی؟

ڈبلا آدمی ذرا خائف ہو کے پیچھے ہٹ گیا۔ چند لمحوں کا کوشش روکے بولا : معاف کیجئے گا۔ مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ میرا ہم ملکی ہے۔ میں ایں ایں ایں ایں ایں سکھائی گئے ہوں۔ میرا جہاز تین روزہ تین برسوں سے چلا جانے والا ہے۔ اس لئے جب میں نے آپ کو دیکھا اور کہیں کہیں نے آپ کی تصویریں اخباروں میں دیکھی ہیں اس لئے میں نے آپ کو پہچان لیا۔ میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں یہاں بیٹھ گیا۔ حالانکہ مجھے ملاؤں کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں ہے مگر میں آپ کو دیکھنے کے لئے بیٹھ گیا۔ سچے؟

ملکی ٹانگ میں بائٹ کرنا تھا۔ کچھ کو کچھ کہتا تھا۔ اسحاق کو اس کو بچنے بہت پسند آیا۔ وہ سکڑا تھا۔ ملکی جھگٹے جھگٹے پھر اس کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ لاکھل شام کو آپ میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ میں ایں ایں ایں ایں ایں۔ میں آپ کو جہاز اور سے دکھاؤں گا۔ اور وہ غلاباؤں پلاؤں گا۔ آپ شراب پیئیں میرا۔ سب لاکھوں پیئیں میرا۔ کچھ سچے؟ اسحاق نے ملکی کا ہاتھ زور سے پکڑ کے اس طرف ہلایا کہ وہ بلٹا اٹھا ہوا

”تم بلاؤں کو کہہ کر پہلوں پر ۹۰ اس کے بعد وہ اپنے شائق پر گود میں ہنس چلا۔ پھر وہ : جہاز پر غلام کریں۔ اپنے دھنک سٹری جٹاؤں گا۔ تم اس کو گھو۔ میری لاکھ سٹریں؟

”بہت اچھا۔ اسحاق نے اپنا پیچھا چھڑاتے ہوئے اس سے کہا مگر ملکی ہاں اس کا پیچھا چھوڑنے والا تھا۔ وہ اسے بلاؤں کی چوکی تک لے گیا اور کمر واپس سے ایک پاس لے کے اسحاق کے ہاتھ میں دے کر بولا۔ کل شام کے ٹھیک چھ بجے میں آپ کی یہاں انتظار کروں گا۔ جرواؤ نا۔ میرا جہاز تین دن میں تین دن اور کچھ جائزہ لے جائے گا۔ تم کوئی شراب پیئیں۔ کوئی کرنا تھی؟ میں وہوں لے آؤں گا۔ چارے جہاز پر پرویشن بالکل نہیں ہے۔ جہاز پر تم سب کچھ لے گئے ہو۔ اور ہاں یاد کیا۔ لکھنا بھی نہیں لکھنا ہے کہیں سے ایں ایں! کوہر سے لکھنا؟“

”سائیں! شمس کر اسحاق نے اس سے پوچھا : کیا تم مدد میں ہو؟“

ملکی ٹوش ہو کر مسکرایا : ہلکا ہنس دیا۔

اسحاق نے پوچھا : اتھاراپورا نام کیا ہے؟“

”موتی رام ملکی“

”مشر موتی رام ملکی کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ وہ اور برائوں کی ہوتے ہوئے شمس کی کیا ضرورت پڑ گئی؟“

اس نے کہا اس پارٹی میں دو گھر تیس گھر ہیں۔ ملکی نے جواب دیا۔

گورنر : اسحاق دل میں دل میں چلا ہوا۔ اب تک اس کو خیال تھا کہ وہ ملتانی سے رخصت ہوتے ہی دعوت کے پاس کے کمرے سے کمرے کے گھر۔ اب اس نے بڑی احتیاط سے پاس کو بہرے کے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ گورنر : شمس پیئیں وہ دل گورنر! اب کس اس نے اپنے اور دوسرے ادبوں کے ناولوں میں دیکھی تھیں۔ کل وہ انہیں اپنی آنکھ سے دیکھ لے گا۔

جرواؤ نا سچے؟ ملکی نے بڑی عاجزی سے کہا۔

لاکھوں کروں گا : اسحاق نے اوپر سے ہنسنے کہا : کل سونٹ لے

مگر وہ کہل چھنے کا اور بھی حزن آیا، وہ صاف بے حد ششدر ہو گئی، سیکڑا انڈیز کے کہیں
 شہر تھوڑا دور تھا، ایک دیوانے پر سڑک گزرتی تھی، ہوائی طائر چھپیں لیکن یہاں تو جس جیسے وہ ٹھہریں نہیں
 کوئی نہ ٹھہریں، یہاں تو ہوا کے ساتھ ایک کڑی بے پناہی ڈھلا ہوا چالنی لیا تھا، کہیں کروہ

دوسرے دن شام کے ساٹھ بجے پانچویں بجے ہی وہ ویلاڈو پور کے ٹیکسٹ پلانٹ پر موجود تھا۔

اس وقت کافی کے بولنے میں دلداریاں تھیں بند کے ہونے کی اسحاق جی کیلئے
 اسی پہل ملاقات کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ اوجھل تھا غرض پر کڑے تھے کہ انگلیں کہیں کے پڑاؤں
 کے ڈیڑھوں، آدھے بڑے تاریک مال گوداؤں اور دیو بیچوں کی جہی کرکٹوں کے صحنوں پر چلنا
 کے پیچھے سے تنگ سی تنگ پر ایک جبرنگ گاہ گاہی تیزی سے بھاڑ کی طرف آ رہا تھی ۔
 جہاز کے نیچے کے قریب آ کے وہ گاہری رنگ کی جھوٹی کا پتہ ملا اور اس میں سے کچھ
 دیکھنے میں گھڑی تھیں اور نیچے پر چڑھنے لگیں۔ مشرقی عورت کی یہ فیصلہ نہیں کر سکتی
 کہ وہ غلوں سے اُپر اپنے جسم کا کوئی حصہ دکھائے یا نہ دکھائے اس کا وہ تہذیب
 کی نیچے پر چڑھتے ہوئے قلابا دیو ہنارے کہی تو وہ اپنی ساڑھی منہ باندھ بیٹے اسے
 فرما سا اپنے غلوں کے اوپر کڑھتی ہے۔ پھر کچھ سوچ کر گھبراہٹ سے اور جلدی سے

شراب نہیں پیتا تھا۔ میں شراب پی کے نہیں شراب پلا کے خوش ہوں تھے۔ بے باقی فوجیہیں بہت پسند ہے اس نے جڑی خشک سے تین زونوں کا انعام کر کے کیا ہوں۔ مجھے "وینیل کو بے باقی کہتا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک ایسی چڑی قہید کے بعد کہ اس طرح اس نے شراب کا بندوبست کیا، ایک قصہ سنائے لگا کہ اس طرح وہ ایک بار صحن میں اپنا جہاز چھڑنے چھڑنے نکلی گیا۔ یہ بعد پور قصہ تھا۔ جب یہ قصہ سنا تو اس نے دوسرا قصہ شروع کر دیا۔ کس طرح اس کی فرسٹ ایئر سے لڑائی ہو گئی کیوں ہوئی؟ کیسے ہوئی؟ بڑا ہی ٹیکنیکل قصہ تھا جس پر شفٹ آجی، ہوا ٹرگر سے دھڑکنی اور پریشر کے انحصار پر اس نے مجھے کہ اس کی کو جہاز کی پوری شیڈری سے جوش کے لئے نفرت ہو گئی۔ جنگ میں صفائی بابا، باقی اپنی کس طرح سمجھتا تھا کہ اس کی معلوم ہوا کہ وہ واقعی کوئی بڑا سا سکائی ہو گیا نہیں کسی بد کو کھڑا اپنی پانی رہا۔ اسے اس جگہ سے غدیہ نفرت محسوس ہونے لگی اس کا خیال تھا کہ اس کو دم رک جانے کو۔ ایک بار تو اسے اچھوٹا آیا۔ مگر خیریت ہوئی کہ اسے صفائی نے اپنے فوٹے پیر پر بگر دی تھی، جہاں سے اس کی فائبرنگ ٹکے اس طرح نیچے دیکھ رہا تھا جیسے وہ اوپر کی دنیا سے پہنچ چکی ہو۔ لیکن وہ دیکھ رہا ہو۔ اس کے دائیں طرف بستر کے سامنے کھل کھلی تھی جس کے باہر ایک بڑا رستہ نکلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کی فوجی بار بار چلا کھڑا اس رستے سے ٹک کر خود کو کھینچ رہا تھا۔ ایک طرف سے ایک آئینہ نظر آتا تھا جس پر وہ ان تینوں صورتوں کے عکس دیکھ سکتا تھا۔ اس میں انکار و نفرت تھا۔ وہ وہ ایک دو فٹ سے بھی اونچے ہو گیا ہوتا۔

لوگ کہتے ہیں کہ کومت پہلی نظر میں ہوا جی ہے مگر میرے جہ تو اسے جیل سے نہیں نکلتا سے محبت ہوئی۔ پہلی نظر میں اس نے شکستہ کو پسند کیا تھا۔ دوا زہد، ناؤک انعام سے بعد علیحدہ اور تھیں۔ شکستہ ایسے توں کوں کہ بات کرتی تھی۔ اس نے تھے انار میں نہ کرتی تھی۔ کہیں اس طرح اپنے آپ میں کھو جاتی تھی کہ وہ اسے جڑی ہی مسموم اور یہ تو معلوم ہوئی۔ جھجھکاؤ اپنی تو اس میں نام نہاد تھا۔ یہ بھلاؤ اس کے سنا نا بار بار ہر جیسے کی کوشش کرتی تھی۔

صفائی کی بات کو چلتے کے کوئی رینا قصہ سنائے کی کوشش کرتی۔ مگر صفائی کہاں کہاں کی کھینٹے والا تھا۔ وہ اپنی دھن میں بکے پکا جاتا تھا۔ کوئی ٹوٹی ہوئی دو گھنٹے ہی میں کین ٹکٹ کے دھن میں سے بھر گیا۔ اور جیل کے ایک جہانی لے کے کہا۔ "تو نا بار بار چلیں۔ جہاں تو دھن میں سے دم کھینٹے گا ہے۔"

"پہلو باہر چلو، صفائی نے فرما دیا۔" صفائی کا دم کھینٹے گا۔"

اس کی اپنی اونچی صوبت سے کوں کہ نیچے آ رہا۔ صفائی کی بند کپڑوں کو دوا زہد کھول دیا۔ وہ پانچوں ابراگنے فرسٹ ایئر میں ایک کپڑوں کو دیکھنے لگا۔ اور دیکھوں کو معلوم تھا کہ وہ کچھ رہا ہے۔ اس وقت بھی جب وہ کپڑوں سے گزر رہا تھا کہ اس کی جگہ سے ٹک کر کھڑی ہو گئیں۔ اس وقت بھی انھیں معلوم تھا کہ وہ انھیں گھوڑے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس طرح بار بار اپنی ساڑھی کو پڑھتا تھا اور وہ ایک ٹک کر گھوڑے انھیں کہ اس کی کو گمان ہوا کہ ہر صوبت ایک آنکھ اپنی گردن کے نیچے بھی کھینچ رہی ہے۔

وہ فرسٹ ایک پر کھینٹے تھے جہاں نیچے ہاٹروم کو تازہ ہوا نہ پھانے کے لئے جڑے بڑے آئینی تل تھے جن کے اندر گھومتے ہوئے رنگوں کا دم جو دم شور مچا رہا تھا۔ صفائی دیتا تھا۔ یہ ایک فرسٹ ایئر میں ایک کپڑوں پر دوا زہد ایک بیکہ ڈھونڈ رہا تھا۔ کیا اور سنا نا بیقرار میں تھی جھجکتے تھے اپنی اونچی آئینے کے کھینٹے پکڑا کر تال دیتے تھے۔ صفائی کو یہ بات قصہ آیا اس نے اس وقت غصے سے پلے جانے کا فیصلہ کیا۔ مگر کہاں جاسے۔ کپڑوں میں تو ابھی ٹک دھواں تھا۔

اس نے اس کی سے کہا کہ آپ نے ابھی ٹک جہاز کو ہاٹروم نہ دیکھا ہوگا۔
"نہیں دیکھا۔"

جیل کے خوشی سے پتہ کے کہا۔ "میں دیکھیں گے۔"

وہ گرجے کی تھا۔ اس ساڑھی کھل جواہرے کی آئین اور گرجے سے۔

”اوند! ہو جانے دو جیلہ تنگ کر بولی، آج ہم یہاں ضرور دیکھیں گے۔“
جیلہ چنچل کی طرح تالی بھا کے کھل کھل کر ہنس پڑی۔ جیلہ کا چہرہ شکستہ اور بھاننا اور بھاننا
سے چھوٹا تھا۔ اس کا جسم بھی دونوں سے زیادہ گارڈز دیکھ کر بھی کی طرف مائل تھا مگر اس وقت
جیلہ اسحاق کو بہت اچھی معلوم ہوئی۔ اس کا بچوں کی طرح کھل کھل کر ہنس پڑنا اور یہاں نظر کیجئے
پر اسرار کرنا۔

ہائمر روم جو جہاز کے سب سے نیچے ہوتا ہے، اوپر کے جنگل سے ایک نظر
دیکھنے میں بالکل دھندلے کا تجربہ نامعلوم ہوتا ہے، شدید دھبے، گھٹن اور گرمی، جڑی جڑی
سیاہ ڈوم ناخوشنیں اور فرش سے چھت تک تیرے زیرے کو تو تنگ شکلوں والے آہنی
فل، مخلوط سیاہ لباس پہنے ہوئے کالڈ جھونکتے ہوئے خلاص جو آہنی دوسرے بالکل کھلوئے
جیسے معلوم ہو رہے تھے۔ پڑھتی آہنی جگہ جہاں اسحاق کوڑا تھا، مختلف نگلیوں اور آہنی
آلات کے گرد گھومتا ہوا نیچے تک چلا گیا تھا۔

”جہاں تو بہت گرمی ہے۔“ اسحاق نے اندازہ کیا۔

”کھنکھنے لگے کیا۔“ بکیت سے کم ہی ہوئی، پلو نیچے چلو۔“

نیچے جانے کے لئے جگہ بہت کم تھی۔ ایک وقت میں ایک آدمی ہی آسانی سے جنگل
سے اوپر نیچے گزرتا تھا، اور نیچے گھومتے ہوئے موڑوں پر تو یہ جگہ اور بھی تنگ ہو
جاتی تھی مگر لوگوں کو نیچے پھلتے ہوئے زہینے سے اکیلے اترتے ہوئے گہرا ہی تھمیں۔

اور اسحاق نے موتی لہم ملانی کے بارے میں محسوس کر لیا تھا کہ وہ اس لوگوں کو کی ہانکھا سکتا ہے
شراب پڑا سکتا ہے، باتیں کرنا سکتا ہے لیکن ہاتھ لگانے سے بہکتا ہے۔ اس وقت بھی وہ جنگل
پہنچا سب سے پہلے کواڑ لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے نیچے اترنے کو کہا ہاتھ اور ساتھ اس
کی نصیحت یہ بھی تھی کہ اترتے وقت ساڑھیوں کو آہنی جنگل کی سطح سے مس نہ ہونے دیا جائے
ورنہ سیاہ گز رنگ باسنے گی۔ اب یہ سب کام ہوتے کیسے ہو؟ لوگوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور سنبھالنا
سنبھالیں کہ کوئی ہونی کر کے چلا کر کہ پھر ہاتھ جنگل کی سطح سے بچائیں۔ اب اتنے سلسلے کم
اس سے کم دم نہ ہو سکتے تھے۔ ہوتے سکتے تھے، اس میں سے ضرورت جنگل کے اوپر سے نیچے تک
دوڑتی ہوئی ہاسکتی تھی اور پھر بے کھلی آہنی تھی۔ وہ اچھی خاصی نوکوں پر مت دھڑکتی تھیں
مگر دونوں کے سامنے اپنی صحت کا ثبوت کیسے کریں؟ بدتمیز ہیں اور غلو موروں کو بھی یہ اچھا
نہیں لگتا۔ اس لئے کیسے نیچے اترنا چاہئے۔ کئی منٹ تک کو آہنی چاروں طرف بڑا آواز اسحاق نے
سنا جانا کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ ”آپ آئیے یہاں سے ساتھ۔“ اور کوئی کہہ کے وہ نیچے اتری اور اس
کے نیچے شکستہ اور جیلہ اور آفریں ملانی جس کا چہرہ اسحاق کو سنبھالنا کا ہاتھ پکڑتے دیکھ کر
لال ہو گیا تھا اور وہ رومال سے اپنا پیرو صاف کر رہا تھا۔ جہاں مونہ تنگ تھے وہاں سے
اسحاق کو تینوں لوگوں کی مددگار ناچی اور اس مدد میں اس کے ہاتھ بے اختیار اس کی کمر میں لگے
اور وہ بولیں جو انہوں نے تینوں لوگوں کو جو عجیبی چیزیں پہنے ہوئے تھیں، ایک عجیب طرح کی قرینت کا سامان
اسحاق کے تئیں ہوا۔ یہ احساس تینوں لوگوں میں ایک ایک تھا مگر تھا۔ ہوا انھوں میں اب ایک
ایک طرح کی جھوک تھی، دوڑنے لگی اور شہسبزیں جہاں تک اپنا کام نہ کر سکی تو کھم کھم لگتی۔

نیچے اتر کر کوڑا قلعہ کے قریب جا کر اپنی ساڑھی سنبھالنے ہو، یہ جھوک جھولنے کے ٹھو سے ایک
خفیہ عمل، اس کی شفاف ہے، دائرہ ساڑھی پر گھر کے قریب تھیں انھیں کے سیاہ لٹا ہی تھے۔
اسحاق نے ملانی کی نصیحت کی پڑا وہ نہیں کی تھی، اس نے جنگل کی گزرتی اور اسحاق کے ہاتھوں کی اپنی
ہوئی تو ہنس رنگ لاتی تھی۔ جیلہ کے چھٹنے ہی گہرا شکستہ اور سنبھالنے میں اپنی اپنی ساڑھیوں

کا جائزہ لیا۔ مگر کے قریب انگلیوں کا وہی خمچہ موجود تھا۔ بالکل مکر کے خم کے اوپر۔ اسحاق غائب ہوا۔ لوگوں نے اسے خوب مستحکم دست کی نگاہ سے دیکھا۔ ہر ایک بار بھی اس نے معافی نہیں مانگی۔ البتہ غلطی نے بڑی توجہ کے ساتھ اس سے انھیں بتایا کہ کس طرح اس نے نہیں پراکٹر روم میں جانے سے منع کیا تھا۔ پھر اس نے گویا پورے جہاز کی طرف سے جنگل پر لگی ہوئی گرین کے لئے معافی چاہی۔ اور پھر بڑی صدقہ دہی سے گویا اس میں کوئی دھوئے کے لئے وہاں غواغریں کو پراکٹر روم کی شینڈی اس انداز میں بکھانے لگا کہ انھیں آج ہی سکون انجینئر بنا کے چھوڑ دے گا۔ جیل بڑے اہمک سے اس کی گفتگو سنتی رہی۔ البتہ انہوں نے ایک جہاز لی لی اور اسحاق کا ہاتھ پکڑ کے لپچھنے لگی۔ وہ کیا ہے؟

”وہ کیا ہے؟“ دراصل ایک بیباک تھا۔ اسحاق کو کوئلے خانے کے ایک طرف لے جانے کا۔ جہاں چند تانبے کی ٹنگیوں کے اوپر جیرو میٹر اور تھرموسٹک قسم کے آلات لگے ہوئے تھے۔ اور وہاں اور نیل بیتیاں کبھی ٹپکتی اور کبھی ٹم ٹم ہوتی تھیں۔

اسحاق نے کہا: ”مجھے کیا معلوم۔ غلطی سے ہو چھو۔“
”اوسے وہ تو بڑا بڑا ہے۔ جی تو خواہ تو غواغریں کھال کی میں جہاں لگتی۔ پھر میں نے کوئی جہاز بھی اندر سے نہ دیکھا تھا۔“

سجائو کا ہاتھ اسحاق کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن جب ٹھنڈکیاں وہاں پہنچ گئی تو سہانے اسحاق کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

ٹھنڈکیاں نے بڑی توجہ کے ساتھ اسے دکھانے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا: ”یہ کیا ہے؟“

اسحاق نے دلائل ٹھنڈکیاں کو سر سے پاؤں تک دکھایا۔ ایک جھبکے طرح اظہار بہت ٹھنڈکیاں کے سامنے اس کی حد قریب کوئی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لئے سہانا کو بھول گیا۔

سب کچھ بھول گیا۔ اپنے ارد گرد کا سارا ماحول بھول گیا۔

ٹھنڈکیاں نے اسے گواہیت دیکھ کر پوچھا سوال دہرایا: ”یہ تھرموسٹک کیا جانتا ہیں؟“
اسحاق نے کہا: ”دیکھئے۔ یہ تھرموسٹک جانتا ہے کہ آپ کے کتنی ٹھنڈکیاں ہیں؟“
”اور یہ؟“ ٹھنڈکیاں نے سکتاتے ہوئے دوسرے جیرو میٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر اپنی آنکھیں مختلف طور پر اسحاق کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ اس طرح کہ ساری دنیا اسے ٹھنڈکیاں ہوئی معلوم ہوئی۔

”یہ؟“ اسحاق نے دوسرے جیرو میٹر کی طرف دیکھ کے بتایا: ”وہ جانتا ہے کہ ابھی اور کتنی آپ پہن سکتی ہیں؟“

”اور یہاں جی؟“ ٹھنڈکیاں نے بالکل مرگئی میں پوچھا۔ اس کی سانس اسحاق کے دھاروں کو چھوٹی پل گئی۔

”یہ غلطی کا نشان ہے۔ جب زیادہ پانی باقی ہے۔“
”غور کیا ہوتا ہے؟“ ٹھنڈکیاں بالکل اس کے قریب آگئی مگر اسحاق کی کہہ نہ سکا کہ پراکٹر اور اسے سجائو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکے پوچھا: ”اور یہ تھرموسٹک کیا جانتا ہے؟“
”مگر پراکٹریوں کے دباؤ کو نظر کرتا ہے۔“ اسحاق کی آنکھیں شہادت سے چمک رہی تھیں۔

دونوں ٹھنڈکیاں کھل کھل کے ہنس پڑیں۔ جیل بھی دھڑکتے دھڑکتے آئی۔ بولی نکلی بات تھی۔ مجھے بھی بتاؤ۔

اسحاق نے کہا: ”کہ میں حضور۔ جی تو انجینر سے گھیس کے دباؤ کے متعلق سوالات کر رہی تھیں۔ اب یہ کیا بتاؤ۔“

غلطی بتاتے لگے۔ گھیس کا دباؤ۔ مائیں کے دباؤ سے مختلف ہوتا ہے۔ انجینر کا دلچسپ۔۔۔

جیڑا گیلے ایل و چلانی طیس :-

مجلس

میں نے اسے بہت پسند کیا۔

by G. V.

100

44

— ۳۰۳ —

ہائی باقی مٹائی جیسا ۱۱ حملہ نے جسے نہ ہو سکیں لیجھیں کہا۔
 لکھنؤ کی جبرنگ کی ماس بیلا ڈھیر کے کچھوڑے کی سنان نگرہ پر دوڑنے
 لگی۔ کچھوں کی نظروں پنا شک ہو کر آئی۔ وہ جھٹنے اور گئے۔ گچھل سیٹھ ہر اساق
 جیل اور سنان کے سچ میں نہ شامتا۔ دونوں دیکھیں اس چگری پڑی تھیں۔ شکستہ اس کی
 گود میں نہ تھی تھی۔ تینوں کا وزن ملا کہ چار پانچ من سے کم نہ ہو گا۔ مگر کچھ کی عورت کا
 وزن بالکل سوس نہیں ہوتا تھا مگر چھ بچہ لگی تھی بے وزن ضرور کہتی ہے چہا سانس کا
 اصول ہے مگر عورت کے معاملے میں سانس کے بہت سے اصول جواب دے جاتے ہیں۔
 اساق سو پتہ لگا۔ شایہ اس کی وجہ نہ ہو کہ عورت خود ایک سانس ہے۔
 اساق نے شکستہ سے سوال کیا۔ تپ کا لہو نہ کیا کرتا ہے؟

اسحاق نے شکستہ سے سوال کیا۔ "تپ کو لادو کیسے کام کرتا ہے؟"

فلکستاس کی گوری خدا سے اچھل کر قفس پر کھڑی ہوئی۔ وہ ٹیٹنگراؤں سے۔

مختبر گرافکی بروی یک ماوس کے رولہ کھینچتے ہیں اسحاق نے دیکھا۔

خدا! اے میری جہانگیر، تو ابھی تک نہیں سمجھتا کہ تیرا خدا کون ہے۔

وہاں سے دشمنی ملتی ہے اور اس کے غلو اور گروہ زندگی کے خوب جاننا ضرورتاً ایک غلو ہے۔

کے علاوہ ایک سالک بھی رکھ سکتی ہے، جماعت سماجی مسائل پر بنیائے شکستہ کا مالک
ایک کا نوبل کا مالک بھی ہے۔

جیلڈ نے جسے دیکھا ہے کہا: "اور شکستہ کے پانچ بچے بھی ہیں۔"
یہ لوگ سماجی کو ایک دلچسپ سا لگا، تھوڑی دیر میں وہ پانچوں بچوں کا وزن اور شکستہ
کا وزن بلکہ اس کے خاندان اور اس کے موئے ریشہ کا وزن گا پتے جسم پر غور کرنے لگا۔
وزن جو پہلے کس نہیں تھا، کیسے یہ لوگ واپس آگیا تھا، اس بات پر اسے غریبی صحت ہوئی۔
خدا کا رک کے ہوا: "بھائیوں! تو تم تھوڑے تھوڑے کے بچوں میں گھٹ کے مچاؤں جینا سیکھاؤ
کیا بھی اچھا ہو اگر کچھ دیر کے لئے تم سیٹ پر بیٹھو اور میری تصدیق گورنر مینوں!"
"جست۔ جڑے پر تہذیب ہوئی۔ شکستہ بھائیوں! جھٹے سے ہوئی۔

مگر جیلڈ اور سنیانا جنس پر ہیں۔ سنیانا بولی: "دیکھا پانچ بچوں کا وزن کم
کر رہا ہے۔"

اس پر شکستہ واقعی خفا ہوئی۔ اور موٹر روک کے اگلی سیٹ پر جا بیٹھی۔ اس کے
اٹھتے ہی سنیانا سماجی کی گورنر مین بن گئی۔

اس پر سماجی نے پوچھا: "اور غصہ کی مادر کہاں ہے؟"
میرے پاس کوئی مادر نہیں ہے! سنیانا جسے فخر سے بولی: "مگر میرے باپ
کے پاس مادر ہے۔"

"اور آپ کا باپ اس وقت کہاں ہے اور کیسے اس نے آپ کو ایک بیٹی کی
گورنر مین بننے کا اعزاز دے دیا ہے؟"

"اس نے اعزاز تو نہیں دی۔ میں نے خود ہی حاصل کر لی ہے۔ میرا باپ اصل
بیٹی سے پائیس نہیں دے رہا تھا ہے۔ ہمارے خاتمہ میں بچوں کے باغ میں
اور بڑی کے گھیرت ہیں اور وہاں چالیں ہیں بیٹا ہوتا ہے۔ اگلے دس برس میری شادی میرے

ایک دور کے رشتہ دار سے ہونے والی ہے۔"
"جیہ تک؟"

"جیہ تک میں زندگی دیکھ رہی ہوں۔"

سماجی کے تھنوں میں ایک بڑا بڑا آئی ہوئی آئی کسی کے بہک بدیا اس نے پھر سوگ
کے دیکھا: "بدیا سنیانا کے جسم سے آتی تھی۔ اس نے بڑا شگفتہ پیچھا لیا: آپ کو جنس گند کی
بیماریا ہے کیا؟"

اب کے سنیانا اس کی گود سے اچھلی۔ پھر جس بچہ کو دیکھی۔ دو نبھاسی بچہ کہانی: "اس
لے میں اپنے رشتہ دار سے شادی نہیں کرنا پاتی تھی۔ مختار سے ہم پارسی
لوگوں میں بیکاری پسند کی گئی ہے۔ تیرے تیرے غور میں اس کا علاج نہیں ہے۔ مگر اگر آئی میں
نے بہت سامعہ لگا یا تھا مگر

وہ سماجی کی گود سے اٹھ کر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

شکستہ مسکائے لگی۔

یہاں تھوڑی دیر کے بعد جیلڈ نے لگی۔

سب کی ہوا: "اسماجی نے صحت سے پوچھا۔

"مجھے ملانی بیٹا یا داتا ہے؟"

"مگر جب تک تم وہاں نہیں جہ گئے تو میں سے مایوسی ہو جاتی دکھائی دے گی شہرنا

"وہ اور بات ہے۔" جیلڈ نے تشریح کرتے ہوئے کہا: "جیہ تک وہ میرے

سامنے رہتے ہیں مجھے ان سے غریبی گئی آتی رہتی ہے جو میں وہ مجھ سے دور ہو جاتے ہیں،

مجھے وہ یاد آنے لگتے ہیں۔ سچی سچی مثال جیسا بہت اچھے ہیں۔ وہ بڑا اپنی پوری خواہ مجھے

بچھو دیتے ہیں۔"

"وہ تمہارے بیٹا ہیں؟"

”ہیمنو نہیں ہیں مگر ہاں ہیں گئے ہیں۔ وہ دراصل مجھ سے شدید محبت کرتے ہیں۔ مگر انھیں جرات بھی نہیں ہے کہ مجھے ہاتھ لگائیں۔“

”خدا یہ بھی تمہارے ہیمنو کی نفالی ہے۔“

”نہیں مگر وہ مجھے چھو بھی نہیں تو میں چٹا چڑوں گی۔ ایسی نفرت ہے مجھے اس آدمی سے۔“

”پچھن سے تمہیں نفرت ہے اس کے لئے روٹی کیوں ہو؟“

”کیا کروں کچھ کہوں نہیں سنا۔ جب اس آدمی کی بے غرضی محبت دیکھتی ہوں تو رونا آتا ہے۔ جب اس کی بڑی صحت دیکھتی ہوں تو مارے شہس کی دم نہیں روک سکتی۔“

”عجیب صورت ہو۔“ اسحاق نے کہا۔

”ہاں ہوں تو میں۔“ جمیل اپنے آنسوؤں میں ہنس چکی تھی اور اس کے آنسو آنھوں سے چھٹک کر موتیوں کی طرح اس کے رخساروں پر ٹپک رہے تھے۔

”اسحاق اپنے ریشمی رومال سے بڑی احتیاط سے اس کے رخساروں سے آنسو پونچھنے لگا۔ جیسے وہ موتیوں کے دانے پریش رہا ہو اور اس کا ہاتھ کاچھنے لگا۔“

”اتنے میں بنگالوں کو رت لگایا جہاں جمیل رہتی تھی۔“

”جنگلیوں کو رت میں جمیل کا غلیظ ادا تھا۔ جیسا کہ جمیل اس میاؤں کا ہونا چاہتے تھے مگر رہنے والے کے گرد کارکنی کرکرتا ہے۔ اور کبھی۔“ جتنے وہ لکھنے کے گرد کارکنی کرکرتا ہے۔ کبھی مگر اور رہنے والا دونوں ایک دوسرے کے لحاظ سے تھکا اور مختلف طبیعتیں اور احوال پر مشتمل کرتے ہیں۔“ ایسے ماحول میں تو کوئی خوش نظر آتا ہے اور اس میں رہنے والا ایک عجیب و غریب اضطراب کی کیفیت دونوں پر چھائی رہتی۔ لیکن کبھی کبھی یہ ممکن کہ اس طرح شیر و شکر ہوتے نظر آتے ہیں کہ جیت ہوتی ہے کہ کبھی کبھی ہے اور کبھی کبھی ہے۔ جمیل میں غلیظت میں رہتی تھی وہ ایسا مسلم ہوتا تھا کہ جمیل کے جسم کا ایک حصہ ہے یا جمیل جو ہے وہ وہ اس مکان کا ایک فسانہ ہے۔ غلیظت میں گھستے ہی ایک چھتا ہوا ہمارے نظر آتا

تھا۔ جس کی کھڑکیوں میں لٹکے ہوئے نگہوں سے اوروں سے اوروں بڑی خوشنکاحیوں سے آنے والے کو گھنٹے تھے۔ برآمدے کا فرش خالی ہے سے ٹوٹا ہوا تھا۔

برآمدے کا ایک دروازہ ڈرائنگ روم میں گھلتا تھا تو دوسرا بیڈ روم میں۔ یہی حال ڈرائنگ روم کا تھا۔ اس کا ایک دروازہ بیڈ روم گھلتا تھا تو دوسرا جمیل کی موی کے کمرے میں۔ جہاں نے جمیل کو بچپن سے پالا تھا۔ یہی حال بیڈ روم کا تھا جس کا ایک دروازہ برآمدے میں گھلتا تھا تو دوسرا ڈرائنگ روم میں۔ اور تیسرا کچھ ہاؤس کے برآمدے میں جس کے پچھلے دروازے تھے۔ ایک دروازہ کچن میں جاتا تھا دوسرا دروازہ باغ روم کا تھا۔ تیسرا دروازہ کچھ ہاؤس سے ملازموں یا غلیظ عاشقوں کے داخلے کے لئے تھا۔ مکان کی ہیئت درگاہ سماجی کا اندازہ ہوا کہ جمیل ایک ایسا گھر ہے جس کے ہیئت سے دروازے جیسا قدموں کی چاپ برآمدے میں آتے ہیں ختم ہو جاتی تھی۔ اور اس کے بعد وینڈر لائیو

اچھے بیٹھے پر ہر قسم کے قدموں کی چاپ اور این کی غلاظت جذب کر لیتا تھا۔ ڈرائنگ روم میں دو دروازے پر دے تھے۔ روشنیاں درم درم تھیں۔ یہاں تک کہ ہر ایک لمپ کے شیشے پر بھی روشنی چلی چلی ہوئی تھی تاکہ روشنی اور چھٹی چھٹی کے آئے اور میک آپ بیاؤں کو کٹھن معلوم ہو۔ برآمدے میں سامنے جہاں ڈرائنگ روم کا باہر کی دیوار پر ایک صورت کی عیاں تصویر تھی جو غائب ہونے کی بجائے لوہار یا لوہار سے کوئی ٹی تھی۔ ڈرائنگ روم کے اندر بھی اسی طرح کی مصوری کے لوہار میں تھے۔ اسکو نرونگ اور ڈبل ڈرافٹ سے کوئی چھوئے۔ میرے پیارے امریکہ کو کتنی دور سے آتا ہے۔ شمار میں ہی کیوں پر، ہاں اور شکار گھر کے خوب خانوں پر۔ جہاں یہ شکار اور لوہار میں جمیل جیتے ہیں۔ لوہار گروپ کے ان زمین چھا پانی پر جہاں ان میں کوئی گھنٹہ کے پیکر میں ادا تھا تاکہ ہے۔ ان برق رفتار جہاں جیسا کہ وہ جو چشم زدن میں ان کے سامنے کوئی گھنٹہ کے کوئی گھنٹہ میں بکھیر دیتے ہیں۔ میرے پیارے امریکہ۔ گندم کی خبری باجیل والے، ابراہام لکھن کے کوئی شش والے، دولت و بخت کی

حق سچی والے امریکہ میں تجویز فرمایا کہ تو میں بندہ قویں دیتا ہے اور ہوائی آفسے دیتا ہے اور ٹیکنیکل اینڈ دیتا ہے۔ اور سب کچھ دینے کے بعد حق دے دیتا ہے۔ اس پر میری جگہ تیرا لشکر ادا نہیں کرتے۔ وہ کہتے تاشکرے ہیں :-

فرمانگ روم میں گھستے ہی اسحاق کو جی پا پا کر دوسرے پور دہر جائے اور وہ افضل فلکوائے کے ادا کرے۔ دوسرے ہر طرف کی امریکی مدد کی طرف اس لے اس شکرانے کو بھی اور صدر میں رکھا اور صوفے میں دھنسی کیا۔ صوفے کے سامنے ایک بڑا دروازہ چڑھا اس پر غصہ تھا اور سہا بنی ہوئی تھیں۔ دائیں طرف کے کوئی پر جمید نظر لگی۔ اسی تیغوں کے نیچے میں ایک بہت بڑا فلکوائے تھا۔ چاروں طرف ایک ریڈیو گرام تھا جس سے طوفانی ایک ریڈیو گراموں سے آئے پڑے تھے۔

جمیل نے کوئی نہ جانتے ہی اپنے دونوں ہاتھ چست کی طرف استہانے اور مجھ شخص پہلے لگا کر اس طرف اطمینان کا سانس لیا جیسے قیامت سے گزری ہو۔ اور اب ہر طرف کی آسودگی ہو۔ اسحاق اب راحت چاہتے ملا ہی تھا کہ سہا نے اپنے پیچھے سے دھکی کی ایک فوکل سھول کے سامنے کی تپائی پر رکھ دی اور جھپٹے انداز میں ہائی۔ "پانی قلاب شروع ہوتی ہے :-"

لگا لگا اور ناچنے لگی۔ اور جب جمیل ناچنے لگی تو سب کچھ ایک سماجی کو معلوم ہو کر یہ معلوم نہیں والی، مجھے پتہ نہیں والی، میرا لگائی آنکھوں والی، اپنے جسم کے خطوط میں کیسے دکھائیں دلاؤں، دلاؤں اور دلاؤں کی خسی تم کرتی ہے۔ وہ بہت جگہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

قصہ کوئی دن کا ہوتا ہے۔ ایسا قصہ میں میں سامان لگتا ہوتا ہے کھیت ہرے ہوتے ہیں۔ ماننے پر پینے کی افشاں پینی دیتی ہے۔ اور دقاہ کے ہونٹوں میں چا دل کے والے چمکتے ہیں۔ ایسا قصہ میں میں چڑیاں چڑیاں ہیں۔ جھیل کا پانی ڈون ہے۔ اور صحت کے بادلوں میں پانی ہوتی وہ متضاد دوسری کوئی دیکھ کی آفری مدوں کا کچھ لینے کے لئے بائیں پرواز لگاتی ہیں۔ ایسا قصہ میں میں ایک قوم کی تقدیر جاگتی ہے۔ اس کی پوری تاریخ کروٹیں لیتی ہے۔ اس کے تمدن کی ہری ہری شہوار شاخیں انسان کے دل پر سایہ کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اور اس کا دل اس قصہ کی طوباطے تقدس سے اور اس حرام سے، اور انسانی عقل کے اقرار سے جھک جاتا ہے۔

مگر یہ کس قسم کا قصہ تھا جو اپنی ہر ادا سے کہتا تھا۔ مجھے نیلو، مجھے ایلو، جو اپنے ہر غم سے بھرا تھا۔ میں کتنی میں ہوں، مجھے کہا تو جو اپنے ہر خوشی پر کچھ میں بھی کچھ افشاں تھا۔ آؤ، مجھے اپنی بانہوں میں کس نو۔ مجھے مجھوڑو، میری بھری ہوئی انگ کرو۔ آؤ، آؤ کو تم میرے کہتے ہوں میں تمہاری گتیا ہوں۔

مڑے کی بات تو یہ تھی کہ وہ سب کچھ محسوس کرتے ہوئے بھی اس ناچ میں کھول جاتا تھا۔ اس کے ہر کچھ میں گویا ہوتا تھا۔ اس کے ہر حضور میں لکھا جا رہا تھا۔ اس کے تحت اشعور میں بیٹلے اور اہل آنے لگے۔ پھر اس کے اشعور میں کڑوؤں برسوں کا ہانور ہانکا اور لڑو کے کی طرف کھلنے لگا۔ سماجی کو چند بندہ لگے۔ جیسے اس کے ہر طرف دیواریں توڑے رہی ہوں۔ اور زمین آسمان پکڑ کھارہے ہوں۔ وہ ہانکن سحر ہو کر صوفے

جام بھر دینے لگے۔

جمیل جیتے جیتے کیا ایک آٹھی۔ اس نے ریڈیو گرام پر رکھ دینا دل کا ایک بکارت

ایٹم مناس ہے۔ درجہ سے خود مصروفی آتی ہے لیکن اس خواہش کو کی بجائے کہ جسے کسی کو ناک
ہیسا تک خیال خدمت ہے۔ لیکن یہی جب بندھوٹ جاتے ہیں، جب کوئی ہوا و کروٹ
لیتا ہے اور اس دور پر کی سطح کے کسی سوراخ سے گرتا کو نچتا ہوا پہنچتا ہے تو کیسے پہنچا
آجاتے ہیں۔ بہتیاں اُپر ہوتی ہیں، کھیت جلیں جاتے ہیں، شہر کھنڈ ہو جاتے ہیں اور
زندگیاں اپنی تہذیب کو گود میں اٹھائے فنا ہو جاتی ہے۔

اور جب سماجی کورسز کا خیال آیا، تو اسے انسان کا خیال آیا کیونکہ انسان بھی
دھرتی کی طرف ہے، وہ بھی اندر سے کھلتے ہوئے اور اسے کی طرف ہے۔ کروڑوں برسوں
سے ترقی کرتے کرتے وہ اس منزل پہنچا اور آج اس کے فیضانِ احساسات و جذبات اور
جلیات پر ہر تہذیب و تمدن کی اک تہذیب ہے۔ بہت پتلی سی تہذیب ہے یہ بہت مضبوط
بھی نہیں ہے۔ اس میں جا بجا رخنے ہیں اور سوراخ ہیں جہاں سے لہو و آہل اُبل کر باہر
آ جاتا ہے۔ تو مجھ ہی کہ تہذیب تو انسان کے پاس ہے۔ اسی پر اس نے اپنی زندگی بنائی
ہے۔ ہزاروں سال کی محنت سے، تہذیب کی خوبصورتی، تمدن کا مس، سماج کا ستارہ
تاریخ کا علم تہذیب و تہذیب پانچویں پریم ایک کر کے بنایا ہے۔ یہ چلی ہی تہذیب انسان کی زندگی کے
لے، اس کے ارتقاء کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ اس کا اسے آتی اندازہ ہوا۔

اس نے گھبرا کے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا یا اور خود ہی بولی پڑا۔ نہیں، نہیں۔

پس آج سے وہاں بھی نہیں جاؤں گا

لیکن دوسرے دن وہ پھر وہی گیا !

اپنے توڑیں کو کریدتے کریدتے اسحاق نے بار بار گوشش کی کہ وہ کسی طرف سے
معلوم کرے کہ وہ جمیل کے پاس دو بارہ کیوں گیا۔ کیا چیز تھی جمیل میں جو اسے کشش کشش
پروردہ کی کھینچ لگتی، بلکہ کشش ہوتی ہے وہ اس کا تجرور کرکے، لیکن محنت کو تجرور کرکے کہ جاتے
کیوں انسان کو ایک فرشتے یا دیوی سے محبت نہیں ہوتی اور ایک گنہگار سے ہو جاتی ہے
عجبت اوصافِ جمیل کے لئے اسے کا نام نہیں ہے۔ شاید اسی سے قطع نظر آج کو ایک شخص
و لائق سے کہہ سکتا ہے کہ (جھانکنا نہیں تھا، اور جیوت کی ایک آنکھ دوسری آنکھ سے ذرا
چھوٹی نہیں تھی۔ کہاں اس سوچ کے ہاتھ گھوڑے نہ تھے اور انھوں نے کچھ ہونے کا اور
بیزحی تک والا نہ تھا۔ اور روپ بھی جگ میں گنگنا کے بات نہ کرتی تھی۔ محبت جیوتی تھا
کی ارفع ترین صورت کا نام بھی نہیں ہے۔ تو پھر کیا عقل، کیا انسان کو اپنے محبوب کی عقل
سے محبت ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان کسی دوسرے انسان سے محبت کرنے کے بجائے
خود اپنے کسی بڑی کتاب سے عشق کر لیتا، لیکن ایسا بھی تو نہ تھا، اسحاق کی زندگی میں ایسی
دو کتابیں چھائی تھیں جی کی عقل کو دیکھ کے اس سے شادی کر لینے کو اور ان کی محبت دیکھ کر
خود کو کچھ کر لینے کو جی چاہتا تھا۔ جب بات ہے کہ جب عورتیں عقل مند ہوتی ہیں تو خود صورت
نہیں جوڑیں اور خوبصورت ہوتی ہیں تو عقل مند نہیں ہوتیں۔ اور جب بھی خوبصورت اور عقل مند
بھی ہوتی ہیں تو انھیں آتی ہی اس کے جیوت سے اٹھا کے لے جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس
کی زندگی میں سب عقل اور سب خواہشوں والی عورتیں چھائی تھیں تو جس سے اس
سے محبت کیوں نہ ہوتی ؟

تو محبت میں انسان کی اپنی شخصیت کا کس و کجیت ہے ! اپنی طبیعت اپنے مزاج
اپنے ذوق کی مطابقت ! اور اس نے بڑے بڑے دانشمندیوں سے نہ تھا، جنھوں نے
عقلی محبت تو شاید ایک دو بارہ کی ہوگی لیکن کئی عشق و رہنوں بارہ لیا تھا اور محبت اور

وہ ضرور اسے بچھانے کے لئے روز بول آئے گی۔

مگر یہ تو چکیڈر تھا۔

گواہ جمیل کے آنے کی زیادہ امید نہ تھی۔ مگر ایک امید مویم ہانے لگا ہے ایک دلچسپ علی کی طرح ان کے سامنے پہنچا ہے۔ وہ جمیل کی جنبشیں سن سکتا تھا اس کے آؤشی بڑی دلی سیدھا دل کی باپ مگر وہ دونوں اور دو درمیں جوڑی تھی اور وہ نہ آئی تھی۔ اور آتی کی رات بھی گھنٹہ جاری تھی۔ آخری گھنٹہ کے چل گئی تھی۔ اب یہی سے کوئی گھنٹہ نہ آئے گی جمیل کو لے کر۔ پھر بھی وہ ہانے کیسے اب تک اس کا منتظر ہے!

"جمیل تو نہ آئے گی۔ تو۔۔۔ تو یہ اندھیرا بالکل کلکیوں میں ہو جاتا ہے۔"

اسحاق اس وقت بالکل یاد دہرا ہوا تھا۔ وہ اس وقت ایسی ہی چاہتا تھا جس کی امید کی ایک ذوق بھی نہ ہو۔ ایسا اندھیرا جس میں روشنی کی ایک کرن بھی نہ ہو۔ ایسا سناٹا جس میں آواز کی ایک لہری بھی نہ ہو۔ تاکہ وہ اسحاق سے خود کچی کر سکے۔

اور گو رات بہت گہری تھی اور اندھیرا بہت سیاہ تھا اور سناٹا بہت چھاواڑ

تھا۔ لیکن پھر بھی وہ سب کچھ ایسا تو نہ تھا جیسا اسحاق چاہتا تھا۔ زمین سیاہ تھی اور پتھر سیاہ تھے۔ لیکن ایک پہاڑوں میں چھوٹے گھروں پر کہیں کہیں روشنی لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ آسمان سیاہ تھا اور آواز تھا تو بھی کہیں کہیں اس میں تاروں کی فطرتیں نکلی ہوتی تھیں۔

رات خاموش تھی پھر بھی اس کی خاموشی کے چلنے میں کتنی ہی آوازیں آتی ہوتی تھیں۔

جھینگروں کی آواز۔ پتوں کے سرسرنے کی آواز۔ جھانپوں کے کسی جھانگی جھانگ کے ہلکے کر گور جانے کی آواز۔ اور دور کی شاد کی آخری ٹپٹنی پر غمی ہوئی ڈھیل کی آواز۔ اور ہر آواز گویا زندگی کا ایک پتہ دیتی تھی۔

اسحاق اس وقت ڈھیل کے ٹپنے کے ٹپنے کی تاب نہ لاسکا۔ اور اپنے کان لپیٹ

کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر کپٹے ہوئے کالج کے اندر لگا دیا اس نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر زور سے دروازہ بند کر دیا اور بیٹہ دوم میں ہا کے اپنے بستر پر گر پڑا تو اسے جمیل یاد آئی۔ اس کی بائیں ہا کے ہونٹ اس کا لپیٹ لپیٹ جانا اس کی سختی جمیل بڑی سادہ گوشت تھی۔ اس نے اسے پہلے روز بتا دیا تھا کہ جب تک وہ اس سے محبت کرے گی۔ صرف اس کی ہجر بہت گی۔ لیکن جب تک وہ محبت کرے گی۔ اس کا سے خود پتہ نہ تھا۔ لیکن بے دو دن یا دو ماہ یا دو سال یا ساری زندگی۔ جمیل نے اسے بتا دیا اس رات جس طرح وہ ان تینوں لوگوں کو ٹھوکر کے چاٹا گیا تھا اس کی وہ ادا سے بہت بھائی تھی اور وہ اس پر غریبی تھی۔ اور ایک کارستانا واقعی شدید ہوتا تھا۔ گھنٹہ چھ ماہ میں اسحاق کو اس کا غامض تجربہ ہوا تھا۔ ملنے لپٹا اسے بڑا ہا اسے نو سو روپے کیسے تھے۔ اس نے کالے پینے کی اسے قطعی ٹھکر نہ تھی۔ بڑا ہا چلا چلا پارٹیوں میں اسے ٹرانس کے لئے بلایا جاتا تھا اسات آتے سو وہ وہاں سے ریٹ لیتی تھی۔ اس نے وہ ایک آزاد محبت تھی۔ ایک خواہش اور اس کا دعوت۔ جس کا کوئی ناخود غراہ گل نہ تھا کسی پر غم کی وہ وہیل نہ تھی۔ اس کی ہنسی اور اس کا باپ اس کے گزروں پر پستے تھے۔ اس نے وہ بھی اسے کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ وہ جو چاہتی تھی کرتی تھی اور اسے کوئی نہ کہنے والا نہ تھا۔ وہ جیسا پہنے ڈرائنگ روم میں اپنے اسحاق کو باغ دکھا دکھا کر رہ جاتی۔ وہ تقریباً ہر غریبی کا نوکریاں کرنے کے باغ پر مڑ جاتی تھی۔ اس کا ناغی غریب تھا۔ ایسا ناغی اسحاق نے غریبوں کو دیکھا تھا۔ کبھی بیچ پر اس کا مظاہرہ نہ ہوا تھا۔ یہ ناغی جمیل کے کسی استاد سے نہ سیکھا تھا۔ شاید یہ ناغی برصغیر کے جسم میں ہوتا ہے مگر وہ ہاتھی نہیں ہے اسے۔ مگر جمیل ہاتھی تھی۔ وہ اپنے جسم کی ہر ادا سے واقف تھی۔ اور اسے استعمال کرنا بھی ہاتھی تھی۔ شاید ہر محبت اپنے جسم سے واقف ہوتی ہے۔ مگر ظرم وہاں کا داس اس کے لئے ایک خواہش اور اس کا سنا ہے۔ حالانکہ وہ ظرم وہاں کے پر سے گر جائی بہت کچھ کہہ جاتی ہے۔ محبت بڑی سلیخہ شمار ہوتی ہے۔

مگر جمیل کو یہ خبر پڑی پسند نہ تھی۔ وہ مکمل جسم خفی اور ایسا چٹا ہوا، اکھوں ہوا، لونا ہوا، نانی نانی خفی خفی کرکے دفعہ تو اسحاق نے یہاں نہ آکے سے ہاں سے کڑکے گھینٹنا شروع کر دیا تھا۔ اور جمیل روئی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی مجھے مارو۔ مجھے اور مارو۔ مجھے چڑی سے مارا کے میرا بدن لال کر دو۔ وہ کہتی جاتی تھی اور روئی جاتی تھی اور اس کے ہونٹوں سے کف ہماری تھا اور اسحاق نے ہلکے ہلکے اس کی بات سن کے اسے ہاں سے گھینٹنا چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنے اس خفی پن پر حیران ہو کر وہ صوفے میں دھنس گیا تھا۔ یہ عورت اسے کہنے لاکھوں سال پیچھے لے گئی تھی۔ مگر اب بھی عورت اسے اس قدر پسند تھی کہ وہ اس کے لئے مسکنا تھا۔ اس عورت کی ہر بات پر جان دے سکتا تھا۔ اب اس کی ہر چیز اسے اچھی لگتی تھی۔ اس کا غلیظ نانی، اس کے غلیظ بیٹھے، اس کا غلیظ جنس، جمیل نے اسے جہنم کا دروازہ دکھایا تھا اور اب وہ وہاں پہنچ چکا تھا۔ جہاں سے سانپوں کی باقی شروع ہوتی ہے اور جہاں پہنچنے کے بعد کوئی مشکل ہی سے واپس آتا ہے۔

پھر اس کے ذہن میں وہ بات آئی جسے وہ ایک مہر سے آتے ہوئے دیکھ رہا تھا کہ اگر جمیل مجھ پر جسم خفی، تو اسحاق تو مجھ پر جسم نہ تھا، وہ کچھ اور ہی تھا، وہ کچھ سوچتا تھا، کچھ سمجھتا تھا، کچھ کہتا تھا، کچھ دوسرے سماجی کام بھی کرنا تھا، گو جمیل کی محبت سے آکے وہ سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے جمیل کو خوش کرنے کے لئے جاسوسی ناول لکھنے شروع کر دیئے تھے اور حالانکہ جمیل کو قطعاً غلطی کی ضرورت تھی پھر بھی اس نے جمیل پر بے تحاشہ رو پر بھی قریح کرنا شروع کر دیا تھا۔ اگر ہلکے ایسا بڑا ادیب ایسی باتیں کر سکتا ہے تو میں کیوں نہیں کر سکتا۔ اسحاق نے سوچا اور اپنے دل کو تسلی دے لی، اب وہ دھونڈ ڈھونڈ کے غلیظ بیٹھے لڑا اور جمیل کو کشتا لڑا، پس پوست کا ڈھور مارا، خفی کن جہاں سے ڈھیروں پڑھ ڈالیں لڑا، اپنی دانست میں وہ جمیل کا سب سے پیارا عاشق بن گیا۔

لیکن ہزار گزٹ نے پھر بھی وہ اس سطح پر نہ پہنچ سکا جہاں جمیل تھی۔ کبھی کبھی کوئی لگ

اس کے اندر چڑھ گئے اور وہ کڑا جاتا اور جمیل اس کی اس کمزوری اور بدولی کو فخر محسوس کرتی تھی۔ اور جمیل کا احساس دوسری عورتوں سے مختلف تھا۔ دوسری عورتیں جب محبت کرتی ہیں، تو اسے ایک بھول کی خوشبو محسوس کرنا چاہتے ہیں۔ جمیل اس طرح محبت کرتی تھی جیسے انسان روئی کہتا ہے یا پانی چتا ہے۔ روئی کہانی اور جسم پانی پیا اور جسم اس لئے جب کسی بڑی عورت کی غذا میں کھلا ہوا ہے، تو وہ کیا کرے گا؟ جمیل نے پہلی بار بار سانس نہ ہٹایا دوسری بار پریم ہوئی، تیسری بار اس نے فخر غصہ سے اٹھ کر باہر چھٹک دیا۔

گٹ گٹ!

مگر یہ تو ہوئی تصویر ہی، عمل میں تو اس سے مختلف طریقے سے ہوا۔ معاملہ کئی دنوں سے جمیل آئی آئی کی نظر آ رہی تھی کبھی تو وہ اپنے سے ہی اٹھ کر روئی کبھی اس کے ساتھ کھانا نہ کھاتی کبھی سہانا نہ جاتی، کبھی اچھے کپڑے نہ پہنتی کبھی رونے لگتی، کبھی آپ ہی آپ ہنسنے لگتی، کبھی مسرود کا پہنا نہ بنا کے اس سے ٹک کرے میں سو جاتی، ایک روز سب وہ اس طرح الگ سو رہی تھی وہ اس کے کمرے میں گھسنا تو اس نے جلدی سے کسی سائے کو جمیل کے کمرے سے باہر پھٹے محسوس کیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا اس لئے اسحاق غور سے نہ دیکھ سکا۔

اسحاق نے پوچھا: "یہ کون تھا؟"

"موسیٰ خفیں۔ آجاکہ جمیل نے ٹھہر پیر دیا۔"

مگر اسحاق کا کلمہ دور نہ ہوا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا۔ اس کو میں اتنے دیر لے رہا ہوں کہ کسی شریف گھر میں نہ ہوئے پانچ سبیر۔ اور جمیل تو ایسی بیدار لڑکی ہے کہ اسے صرف ایسے گھر میں رکھنا چاہئے جس کا صرف ایک دروازہ ہو اور اس پر بھی تھلا چلا ہو۔

اس واقعے کے تین چار روز بعد ایک شام کو جب اسحاق جمیل کے گھر پہنچا تو ڈرائنگ روم میں ایک انتہائی خوش پوش نوجوان اور خوبصورت آدمی ہنس ہنس کر جمیل سے

باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ جمیل نے تعارف کرایا۔ یہی منتر شریف، امر کی زبان کے
اچھوت مجنوں۔ آپ ہی اسحاق!۔

تھوڑی دیر تک نہیں بہت دیر تک خاموشی رہی۔ دونوں مردوں نے ایک
دوسرے کو دیکھا پکڑ پایا اور گولا، ہاتھ پکڑا اور وزن کا اندازہ کیا۔ اسحاق کو اندازہ ہوا کہ
سرف شریف کی عیب جھ سے ہماری ہے بلکہ اس کے بازوؤں کی پھیلناں بھی جھ سے
تھک رہی ہیں اور اس کی گردن بھی زیادہ موٹی ہے۔ اس کا دل اندر ہی اندر جھٹکتے لگتا کہ اس
نے اپنے آپ کو دھارس دی اور بڑے دبدبے سے مٹنے پر ڈھٹا ہوا سگریٹ دہستا
رہا۔ اور ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔

اس بات جمیل ان دونوں کے لئے ناچی۔ اس سے پہلے اس کی دہشت
چھ ماؤں کے لئے تھی۔ دوست اجاب اس کے ڈر لنگ روم میں کہیں نہ موجود ہوں۔ جمیل صرف
اسحاق کے لئے ناچی تھی۔ وہی ہمیشہ اس کی نگاہوں کی اداسی کو مرکز ہوتا تھا۔ آج
وہ ان دونوں کے لئے ناچی رہی تھی بلکہ اسحاق کو یہ احساس ہو رہا تھا جیسے وہ اس کے
لئے کم اور شریف کے لئے زیادہ ناچی رہی ہے۔ مگر ممکن ہے یہ میرا دماغ ہو۔ اسحاق نے بڑے
آج جمیل کے کہا ناچی اپنے ہاتھ سے پکڑا تھا۔ اسے وہ پہلی بات کی محنت کی یاد
آئی۔ جب بھی جمیل نے تمنا اپنے ہاتھ سے اس کے لئے کہا نا تھا کیا تھا۔ کیا پچھانے کی
اسے طاقت تھی۔ اس لئے غرضی کا کوشش صرف کرتے ہوئے اس کا ہاتھ ڈھیر ہوا تھا۔
آج بھی جمیل نے اپنے ہاتھ سے غرضی پکڑی تھی، مگر گواریت پکڑی تھی۔ اس بات کی
زبان پر اس طعن کا ڈالنا تھا۔ جب وہ لوگ کہا نا کہا پکچہ، پان کہا پکچہ، سگریٹ کے دوپاک
کھل لگے پکچہ، تو جمیل نے شریف سے کہا۔ آپ ذرا بیکہ روم میں نظریں لے جائیں۔ پکچہ
اسحاق سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔

شریف ایک عجیب ادا سے سکڑا ہوا اعضا اور ہلکی ہلکی بات کے بند روم میں

گھس گیا۔

اس کے بعد جمیل نے کہا۔

بگٹ آؤت!۔

(۱)

اس کے بعد جتنا جھگڑا ہوا، مار پیٹ ہوئی، اس کی اور شریف کی جالوئی ہوئی،
اور تیریا ٹوٹنے یا توڑ دی گئیں یا کھینچیں سے باہر نکلی گئیں۔ وہ سب باتیں اسحاق اس
وقت بھول جانا چاہتا تھا۔ وہ اگر اس کا پس پٹا تو جمیل کو بھی بھول جاتا۔ مگر جمیل کو وہ اس
بلے وفائی کے بعد بھی بھول نہ سکتا تھا۔ اس کی ہر ادا اسے تیز پار بھی تھی جس شخص سے
جمیل نے چھ ماہ تک اس سے محبت کی تھی اس نے اس ساری شقت کو حذر ہاں بنالیا تھا
اور آخری روز کی غیبت کو اپنے دل سے جھٹا دیا تھا انسان اپنی خود غیبت میں کیا کیا یاد
کر لیتا ہے اور کیا کیا جھٹا دیتا ہے اسحاق کا بھی یہی حال تھا۔ اسے جمیل کی ہر غیبت
ادا یاد تھی اور اس کی کوئی برائی یاد نہ رہی تھی۔ یہی چیز تو محبت محبت کہلاتی ہے۔

رات کے تین بجے اسحاق نے فیصلہ کیا کہ اب سب کچھ ختم ہے۔ وہ ذاتی، نہ لگے
کی، وہ شریف کے ساتھ پیش کر رہی ہے۔ روم میں بہان اس کے انتظار میں گزار رہا ہوں۔
اب سب ختم ہے۔ نہیں اب کل صبح ہی اس میں جگہ باؤں کو جسے پر یوں کا آؤتہ کچھ
اور وہاں سے کوئی راتیں جان دے دوں گا۔

اس نے بڑے غصہ سے دل سے یہ فیصلہ کیا۔ اور پھر چاروٹان کے خوب گہری
نیند سو گیا۔

دوسرے دن صبح اُٹھنے ہی دو روزوں کے مغربی جانب ڈھلوانوں پر سے
گورتا ہوا پرپوں کے آبشار کی طرف چلا، اسے راستہ ٹھیک طرف سے معلوم نہ تھا لیکن اس
وقت جہاں پر وہ کھڑا تھا وہاں سے بھی وہ تیز رفتاری کی سطح پر تلے سے پرے پرپوں کے آبشار
کو دیکھ سکتا تھا جو ترائی کے سب سے اونچے میدان کی ڈھلوانوں سے دور چھٹے اک گہری
کندریں جاگتا تھا۔ یہاں سے آبشار بھی دیرسا ہی نظر آتا تھا۔ اب وہ اسے دیکھنے ہی
دیکھتے راستہ ڈھوڑا کر وہاں پہنچا جائے گا۔

اوپر پہنچی اور وہی جھلپوں سے گھورتا ہوا ایک تنگ سے راستے پر ہوا۔ اس
وقت تیزی سے غما سو گئی تھی، اس کے دل کو بھی جیسے قرار آیا تھا اور اس وقت اس کو دل بھی
بڑے غما طریقے سے پر سکون حالت میں معلوم ہوتا تھا۔ ابھی سوچ ہی نہ تھا، سمجھنے والا تھا
اس لئے آسمان اس وقت زمیں سے زیادہ روشنی تھا۔ اس کی نیلا بہت میں خبر این تھا
اور پہاڑوں کی مشرقی چوٹیوں کے اُتھنے کا بے گلابی روشنی کی جھلپوں سے مزین تھے۔
اور ہوا شبنم کے موتی چھڑکتی ہوئی اس کے ہماروں کو کس کرتی ہوئی جا رہی تھی۔ کتنی عمدہ
صبح ہے، اسماقی نے سوچا، ایسی پاکیزہ و طیفی صبح بہت کم دیکھنے میں ملتی ہے۔ اور
یہ ایک اسے جھیل کا چہرہ یاد آ رہا۔ جب ایک صبح کا فرب کو وہ بھی جیسا ایک خوب سے چمکتے

آٹھا تھا اور جاگ کر اپنے قریب سوئی ہوئی جھیل کا چہرہ دیکھنے لگا گیا تھا۔ کھلی کھلی میں صبح
اپنا دم، بے عیب، بے دارا سپید نور لئے آئی تھی، اور اس روشنی میں اسماقی کو سوئی ہوئی
جھیل کا چہرہ ایک صوم کنوارے کی روشنی سے منور نظر آیا۔ گہرا صوم و این تھا اس چہرے کے
بالوں میں، جیسے وہ ایک ایسی لڑکی کا چہرہ ہو جس نے آج تک کوئی مرد نہ دیکھا ہو، یا وہ ایک ایسی
صبح ہو جس نے آج تک کوئی سورج نہ دیکھا ہو۔

اس طرف وہ سوچتا سوچتا آگے بڑھ گیا۔ راستہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ دو دیو جہاں اس
کوس میں ملنے کی کوشش کر رہی تھیں ایک جگہ پر راستہ ختم ہو گیا۔ جہاں ایک ایک دوسرے میں
لی گئیں، ان جھلپوں کے پرے اسے ایک کینہ خراب نظر آئی۔ یہاں کوئی دیوار دھچی کوئی دیکن
تھا۔ بس ایک خوب کڑی تھی۔ وہ جھلپوں کو پیچ کر اس خراب تک پہنچا، خراب ک موڑ پر
واقع تھی، جہاں سے سامنے کو منظر غائب ہو جاتا تھا۔ جب وہ اس خوب کے چھٹے آیا تو
اس نے دیکھا کہ پانی بیسائی دھچی کی گری کے کھراب سے راجست دیکھتی ہوئی خوب تھی، جو
ایک تنگ راستے کو جاتی تھی، یہ راستہ کبھی اتنا شدید تھوڑوں کا بنا ہوا ہوگا، اس وقت پتھر جگہ
جگہ سے ڈھلک گئے تھے، راستے کے قاتلے پر ایک اور چھوٹی سی خراب تھی جس کے آگے
ایک گھلا قبرستان تھا۔ وہ ملیبیوں کو دیکھ کر چمک گیا، ملیبی ہیں، جیسے عورتیں گھر نکلتی ہیں
بغیر آٹھا سے، بڑے پر خیر خواہیوں۔ وہ بھی قوم نے والا تھا، قصور سے دونوں میں اس کی
بھی تو خیر چنے گی، اس لئے اسے ان قبروں میں بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی اور وہ گھر سے ان
قبروں پر گھومے ہوئے نام نہانے لگا۔ سوچ کر فریلا، غمراہیں سال بیسویں بھی ایک جنگ
میں لڑی ہوا، کھٹا سے اس کے مرنے، جان اوبار، غمراہیں سال، اٹھالیس سال کی دوری
جنگ میں لڑی ہوا، کھٹا سے اس کے مرنے، غمراہیں سال، بیسویں میں مرنے والے
غلاف لڑنے لڑنے لڑی ہوا، کھٹا سے اس کے مرنے، اس کی بیوی روزا سلون اور دو بچے اپنے
بہار سے باپ کے لئے رحمت کی دعا مانگتے ہیں۔

انگو حرکت، ہوا سے پادری، قابل عزت اور دھڑپ، پہلے ایک اٹھا، دوسرا، جس سال کے لوگے کو کسی ولیم، جان ڈیوڈ کو اپنے گھر سے اٹھا، لکھا تو گے کی کاغذ سے سنا سڑت نمودار کی گلی سے ڈیوڈ کے کسی گھوڑے سے اٹھا، جیسے کھلاڑی شطرنج سے ایک مہر اٹھا لیتے ہیں۔ اور پھر اسے رکھ دے، دوسروں کو یا میں یا افغانستان میں یا سین میں اس کے ہاتھ میں ایک بندوق دید و دھوا سے مرانے کو کہو۔ مسد فیال کر کا اچھی ہوتی ہے، ابھی تو ماں کا دودھ بھی اس کے بڑبڑوں سے نہیں چٹا ہے، ابھی تو اس نے بچی کو کتال بھی نہیں کھلا ہے، شاید کسی سے پڑا بھی نہیں کیا ہے، بالکل نیل نہ کرو، ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا، اٹھا، اسے اپنی انگلیوں میں اور پھر رکھ دے اسے اٹھا اور فریق کے میدانوں میں، پہاڑیوں پر اور مڑو اور میں جہاں وہاں ہے اور تانا ہے اور چٹک ہے، ہنٹ سن ہے اور چائے ہے، جہاں روٹی ہے اور عرائی ہے، گندم ہے اور جھوک ہے، برسات ہے اور ایک ٹوٹی ہوئی چھوٹی پڑی ہے، مسد فیال کرو ان باتوں کو، قابل احترام نہ کر، کو کھکھرف منافع مقدس ہے، صرف کا رفاؤ ظہیر ہے، صرف ایک جینس قابل پرستش ہے اس لئے بے نظر ہو کے اٹھا، اس معصوم بچے کو، اور رکھ دے اسے گولہوں کی باتھ پر، اور جب وہ مر جائے تو اس کی قبر پر ایک سنگ مہر کی صلیب لگا دو اور ہاتھ حرکت مقدس باپ کی! کہہ دے کہ رحمت سے ڈری اس دنیا میں اور کوئی چیز نہیں۔

اسحاق کا خون کھولنے لگا۔ اس نے جی مشکل سے اپنے آپ کو ضبط کیا۔ نہیں، نہیں، آج مجھے ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں، آج جبکہ وہ روز بولن کی وصلوں سے گزر کر موت کی دلیلیوں میں جا رہا تھا آج تو ہر چیز ٹھنڈی ہوئی چاہئے، جہیزیند ملک، بر قاب! تاکہ وہ آرام سے موت کی دلیلیوں میں بھستتا جائے۔

اس نے وصلوں پر لپٹے لپٹے گل جبر لے شروع کئے، تھوڑی دیر میں وہ فرمودی کھل پر پہنچ گیا، وہاں ایک چھوٹے سے ٹائے کا پانی گویا سوتا ہوا گزر رہا تھا۔

بیل کے پادکوم کا ایک بڑ تھا۔ بڑ کے آگے آٹا کپنی کے پل کے کھوپوں کی قطار تھوڑی کے میدان کو بیچ میں سے قطع کرتی ہوئی چلی گئی تھی، پہاڑی اٹلی تھی، دھلی دھلی ہوئی اور خاموش تھی، جتنی کہ وہ آتش کی تھوڑی دھڑک نہ سن سکتا تھا، ایسا سا اس کے دل و دماغ پر پڑا ہی تھا۔ وہ بہت دیر تک سطح ترقی کے کنارے آتش کو دیکھتا رہا، جو تو بڑو ہزار فٹ کی بلندی سے بچے ایک کھڑے میں گر رہا تھا، اس کھڑے کے کسے کے کنارے ریل کی بٹری چلی گئی تھی اور گھومتے ہوئے موڑ پر ایک سرنگ میں داخل ہو جاتی تھی، اس نے عالم فیال میں اپنے آپ کو اس بلندی سے چھٹا لگ کر گویا کوہ تراشہ کے پے ریل کی بٹری پر گر گئے تھے دیکھا، تھوڑی دیر میں ریل گاڑی آئی اور اس کے ہم کے دو ٹھکڑے ہو گئے، اب وہ ریل کی بٹری پر اپنے ہم کے دونوں ٹھکڑے دیکھ سکتا تھا، سرنگ، دھڑلگ، چھوٹے ہوئے بھی اس کے ذہن میں بھر پوری نگ آتی، وہ بالکل نبوت اور سکھ ہو کر بچے کی عمومی فرسنا کو دیکھنے لگا اور ہوئے ہوئے اس کے قدم آگے کو کھینکے گئے۔

یوٹاک ایک روز کے چٹکے سے کسی نے اسے بازو سے پکڑ کے کھینچ لیا، کیا کرتے ہو؟ ایک نمونائی آواز زور سے چلائی۔

اسحاق نے گھوم کے دیکھا، اس کے سامنے اس کا بازو پکڑے ہوئے ایک انجینی حرکت کر رہی تھی، صلیب فام اس نے سلیس ہیں، رکھے تھے، اس کی نیلی انگلیوں میں ایک تھپتھپ چمک تھی، گمراہت اور پریشانی۔

اسحاق نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پیرتے ہوئے کہا، کچھ نہیں، کچھ نہیں، انگریزی پگڑا لگایا تھا۔

وہ نہیں، اس طرح بچھے دیکھنا چڑا غلط لگ رہتا ہے۔ بعض اوقات انسان۔۔۔

”بعض اوقات انسان۔۔۔ اسحاق چپ ہو گیا۔“

وہ اس کا بازو تھامے ملتی بڑی آہستہ سر پرے کہم کے بیڑ کے نیچے ہا کے اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ بولی۔ "کیا اب تم ٹھیک ہو؟"

اسحاق نیچے زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کی انگلیں کانپ رہی تھیں۔ اور نیچے گھاس کے جڑے خوشے ٹاپے کی طرح دبیر تھے۔ اس نے سکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ ہاں اب میں بالکل ٹھیک ہوں؟

اپنی عورت کے اپنی مضبوط چھڑی کا اوپر کا ہک کھولا۔ اب چھڑی کے اوپر ایک آرام دہ سیٹ بن گئی۔ اس نے چھڑی کو زمین پر گھار دیا۔ اور اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اسحاق زمین پر بیٹھا تھا۔ اپنی عورت نے اسحاق سے پوچھا۔ "اس ٹیلے پر چڑھو گے؟"

ترموڑی کے میدان کے وسط میں ایک اونچا ٹیلہ تھا۔ جب بادل جھک کر آتے تھے تو اوپر معلوم ہوتا تھا گویا وہ ٹیلہ آسمان کو چھو رہا ہے۔ وہ اپنی عورت اس ٹیلے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

اسحاق نے کہا۔ "ابھی نہیں تھوڑی دیر میں۔"

اپنی عورت نے ڈاک کر پوچھا۔ "کیا تم کو کوئی کرنے آئے تھے؟"

"نہیں تو۔" اسحاق زور سے چلایا۔ "میں تو۔۔۔ میں تو ابشار دیکھنے آیا تھا۔" وہ اپنی عورت افسردہ لہجے میں بولی۔ "پر میں میری ماں مکی۔ کل مجھے اس کی موت کا مار ملا۔ جو میرے خاندان کے لیے بھئی سے ہوا تھا۔ میں کل دن ہزاروں رات بھر پریشان رہی۔ دنیا کی چیزیں مجھے دلچسپ نہ رہی۔ میری ماں۔۔۔ بہت اچھی تھی۔ بہن اچھی ہوتی ہے۔"

"مجھے معلوم نہیں۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "میں بہت چھڑا تھا صاحب میرے ماں باپ دونوں مر گئے۔ میں ایک یتیم خانے کے کھانا ہوں۔ میرا خود ہی اپنی ماں ہوں۔ خود ہی اپنا باپ۔ خود ہی اپنا رشتہ دار۔ خون کا رشتہ کیا ہوتا ہے، یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ باپ بہن کا رشتہ

مجھے معلوم ہے۔ اور یہ رشتہ بڑا لطیف ہوتا ہے۔ یہ یاد آ۔"

وہ چپ ہو گیا اور اپنی عورت کے بازو کو دیکھنے لگا جس پر ایک سیاہ پٹی بندھی تھی۔

"خاندانی ماں بہت اچھی تھی نا۔" اسحاق نے پوچھا۔ "ماں کیا ہوتی ہے۔ کیا وہ کبیر سے لگا کر پیدا کر رہی ہے؟ کیا وہ کبھی گٹ آؤٹ نہیں کرتی؟"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا پیرو پیٹا دیا۔ "نیکو وہ اپنی عورت اس کے آسمان دیکھ سکے۔ اس کا سارا جسم بڑبڑاؤں میں لڑکھاتا ہے۔ چپے کی طرح کانپ رہا تھا۔ پھر اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے اپنی گردن زمین پر رکھ دی اور صحت صحت کر رونے لگا۔ اپنی عورت کے اسے ملحق ڈھارس نہ دی۔ وہ اسے افسردہ لگا ہوں سے نکلتی رہی اور کہتی رہی۔"

"میرا نام ایسا ہے۔ میں جس میں میرا خاندان ایک یہودی ہے۔ جنگ سے پہلے ہم لوگ کیسے جنگ میں رہتے تھے، جہاں ایک مذہبی ہے جس کا نام ایسا ہے۔ اسی مذہب سے مجھے یہ نام ملا ہے۔ جنگ سے پہلے ہم لوگ بہت خوش تھے۔ میرے خاندان کا ایک چھوٹی سی مل تھی جہاں ہم بچوں کے کھانے پانے کے لیے تیار کرتے تھے۔ ہم لوگ بہت خوش تھے۔ میرا خاندان اور میری بڑی اسی سالہ ماں۔۔۔ جو جنگ شروع ہو گئی تو ہر گھنٹہ میرا خاندان یہودی تھا۔ اس نے ہمیں برقی سے بھانکا چلا کر میری ماں وہیں رہ گئی۔ پہچتے پہچاتے بڑی مشکلوں سے ہم لوگ بچ رہے تھے۔ لیکن ایک دن نازی وہاں بھی آچکے اور ہمیں فرانسیسی سے بھانکا چلا۔ پھر میرے خاندان سے سوچا کہ یہاں کئی چھپنے والی جگہیں ہیں اور اگر یہاں چلے جائے تو ابھی اور اتنی چھپنے والی جگہیں ہیں کہ کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ اس لیے ہم لوگ یہاں چلے آئے۔ کیونکہ تم یہاں پہنچ گئی۔ اپنی طرفی اور ناداری کے باوجود ابھی تک زندگی سنبھال رہے ہو۔ تمہارے چہرے پر غم کے باوجود ایک عجیب طرح کی ملازمت ہے اور زندگی کے لیے ایک کھداس بڑبڑاتا ہے۔ ہم یہاں ٹھیک کام سے ہیں۔ بہن کی

آؤاب نہیں ہے مگر میرے خاوند نے کوئیز روڈ پر بچوں کے کچروں کی سلاخی کی ایک دوکان کھول لی ہے۔ وہ کچرے ڈیزائن کرتا ہے، دیکھتی ہوئی ہوں اب ہم لوگ محض درزی ہیں، مگر بہت خوش ہیں، میرے کوئی بچے نہیں ہے۔ لیکن میرے پاس پانچ خواہشات ہیں، پہلی یہ کہ جب تم میرے گھر آؤ گے میں تمہیں دکھائوں گی۔

دیر تک وہ اسی طرح بات کرتی رہی اور اسحاق منتہرا ہوا۔ اپنی آہوں اور آنسوؤں کے درمیان منتہرا ہوا۔ آہستہ آہستہ اس کی آہیں دھیمی گئیں آہستہ آہستہ اس کے آنسو بہتے گئے کچھ عرصے کے بعد اس نے زمین سے اپنی گردن اٹھائی، رومال سے ہنسنے پھرے کو سامنے کیا اور اس کی طرف دیکھ کر غریب آئینہ نگاہوں سے منکرائے لگا۔

ایسا لے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ بولی: آؤاب باہر چلیں۔ اسحاق اٹھا لیکن اٹھتے اٹھتے بے اختیار اس کے ہاتھ اس جگہ پر پھر گئے جہاں اس نے گردن ٹکراتی تھی۔ جہاں وہ رو رہا تھا لیکن وہاں کچھ نہ تھا۔ زمین سارے آنسوؤں کا چنب چلتی ہے۔

ایسا نے آہستہ سے کہا: اگلی بار میں یہاں پھر پھول کھلیں گے۔ پھر کوئی راہ ملتی ہو سکتی ہوگی، تمہیں اٹھا کر اپنے ہاں میں لگے گی کیا کہیں توں سے کام کر کے آتی ہوئی کوئی دکان اپنے بچے کا سامان پھولوں سے سموسے کی اور ہر جگہ کی ہنسنی ہون انھوں سے کوئی نہ بڑبچاں سکے گا کہ یہاں پر ایک عاشق کی انھیں روٹی نہیں۔ اسی بیماری ہے یہ زندگی؟ دوسرے دن اسحاق اور ایسا ڈاکٹر کو کس نوزائیدہ بچے کے لئے روانہ ہوئے ڈاکٹر کو کس نوزائیدہ لڑکے کی آس پاس کی پیادہوں کی چٹائیوں میں سب سے زیادہ جلد تھو اور یہاں پہنچے تھے وہ انھیں سس کے ساتھ پھرے کے تیر سس کی ایک طرف نظر پڑی تھی۔ اسحاق کو کھٹکنا لگتا بار بار کچھ تھا لیکن وہ ڈاکٹر کو کس نوزائیدہ تک نہ پڑھا تھا اس لئے اسے راستہ بھی معلوم نہ تھا۔

ایسا نے پوچھا: تم کھٹکنا لگتی بار آئے، لیکن ڈاکٹر کو کس نوزائیدہ بچے نہیں گئے؟
”نہیں۔“

”وہ سانس لے کر پہاڑی پر اٹھا تو ہی مٹن دیکھا؟“

”نہیں۔“

”اس آگے نہیں ہوئی پہاڑی کی چوٹی سے ایک آنا عورت آہٹا نظر آتا ہے جو ایک گہری میٹھا کرتا ہے، مگر یہاں سے نہیں دکھائی دیتا۔ تم نے اسے دیکھا ہوگا؟“
”نہیں۔“

کھٹکنا اور نوزائیدہ کے بیچ میں جو نزدیکی تھی ہے، وہ یہی گمان نہیں ڈھونڈوں اس کو سے گزرتی ہے، تم نے اس کی گڑبگاہ کو کھٹکنا لے سے نواز لے تک تو دیکھا ہوگا؟
”جسے تو جیسو سے غور بھی آئے ہیں۔“

”نہیں۔“

”یہاں سے چند میل کے فاصلے پر نواز لے کی پہاڑیوں کے عقب میں جو نواز سوٹا جھیل ہے، جہاں دو درویش کبھی پر ایک بھی گھر نہیں ہے، اور کوئی شاک بھی نہیں ہے، تم نے اسے تو دیکھا ہوگا؟“

”نہیں۔“

ایسا پھلتے پھٹے کھٹکنا لے اس لئے اپنا سوتا زور سے زمین میں گاڑ دیا۔ اسحاق کی طرف چند لمبے نرمی حیرت اور غصے سے دیکھتی رہی، بولی: ”ابھا اتارے ہوگی سے یہ چند سوٹا اور پر پر چھوٹی سی جھیل ہے جہاں آٹا بکلی کھلی کا ایک چھوٹا سا کھانا بھی ہے، جو یہاں سے درتوں کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتا۔ تم نے اسے تو دیکھا ہوگا؟“

”نہیں۔“

”اور اس سے چند کوئٹ اور لوہے کا ایک تو جیسو سے پہاڑی تپتہ۔“

اسحاق نے اس کی بات کاٹ کر کہا: ”دیکھتے گھٹی ہو کر میں نہیں گھٹا ہوں کہ تم مجھے کیا کھانا پانا چاہی ہو۔ جو کہہ رہی ہو وہ بالکل ٹھیک ہے میں ان چیزوں میں سے کہیں بھی نہیں گیا۔ میں یہاں کی بار تیا اینکین دوستوں کے ساتھ آیا ہوں۔ ملک بندہ کوں میں بیٹھے شراب پیتے ہیں بیٹل کرتے رہے اور رات گھسٹتے رہے۔ شام کو بہت ہوا تو ہوش سے بچے آخر کار رات میں چل قدم کر آتے تھے اور وہاں اگر پھر شراب پیتے نگ جاتے تھے۔ کھٹلے میں بیشتر بڑے سنگی زبان بھکی کرتے تھے۔“

ایسا بولی: ”پہلا ہی مشامات کے لئے تم لوگوں کا نظریہ بہت ہی غلط ہے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی کہ جب درگاہی غلاموں کی بھی چڑی ہو تو کسی پتے آپ کو ایک کرے میں بند کر کے شراب کیسے پی سکتا ہے۔“

اسحاق چپ ہو گیا اور آگے چلنے لگا۔

روز ہونے سے چند سو فیٹ اوپر جا کر انھوں نے وہ چھوٹی سی جھیل دیکھی جس کا پانی دریا کر بندہ بانٹھا گیا تھا۔ اسی سوچ نکلا تھا۔ اس لئے جھیل کا پانی اگر باہر نکلتا دیتا تھا۔ تین طرف درختوں کا گھیرا سا تھا۔ چاقی طرف بندہ تھا۔

اسحاق نے کہا: ”یہاں پر دیکھتے ہو کہ یہاں؟“

ایسا نے مان لیا اور چپ چاپ آگے چلنے لگی۔ چند سو فیٹ اور اوپر جا کے وہ دونوں ایک پہاڑی گھرنے کے کنارے پہنچی گئے۔ جہاں کے راستے میں چڑھا تھا۔ چھتے پر جنگلی انگریز کی شاخیں سایہ کئے ہوئے تھیں۔ چھتے کے ارد گرد گھاٹیوں پر فور فور اور چنگ پھروں کے گھٹے کھلے ہوئے تھے۔

ایسا کی نیچا آنکھیں مست سے نہہنے لگیں۔ اس نے اپنے ماتھے اور شامروں سے پسینہ پونچھا اور پھر اسحاق کی طرف بڑے خاموشانہ انداز میں دیکھنے لگی۔ گویا کہ یہی ہو، دیکھو، تم اگر میرے ساتھ نہ آتے تو اب اس میں نہ دیکھ سکتے تھے۔

اسحاق نے ہوا کو دھچککارتے ٹھنڈے چھٹلے اور پلانے ہونے پر ہلکی سی کہا ہے؟ گھاٹی کی زمین میں چند سواٹوں سے پانی زوردار سطح زمین کے اوپر اٹھ گیا اور سیدھا جے اس پاس چند جھاڑیاں اور پھیل میں۔ پس اور کیا ہے؟“

ایسا کو پھر دھنسنے سے اٹھ بھگیا۔ اس کا منہ کچھ کینے کے لئے کھلا۔ اس نے منہ دھڑکے دھڑکے دھکے سے کھولا سا ہوا دھکے کی گھاس پر دوڑنے کی آواز آئی۔ اسحاق اور ایسا دونوں چ کھٹے ہو گئے۔ دن دہاتے تو ان پیدا ہونے پر کوئی جنگلی جانور آنے کی جھٹ نہیں کرتا۔ یہ کون جانور تھا۔ اسحاق اور ایسا نے احتیاط سے گھوم کر چھتے کے اوپر کی گھاٹی پر آگے دیکھ کر پاپا۔ گھاٹی پر دوڑتے ہوئے دو جانور چلے جا رہے تھے۔ ایک مرد، ایک عورت۔ دونوں اپنے اپنے راستوں پر چلے آ رہے تھے۔ ایک اور سیاہ فام اور تقریباً عربی۔ وہ گھاٹی کے حق پر دوڑتے دوڑتے کھڑے ہو گئے۔ اسحاق اور ایسا نے ناچھے دور۔ اور دھڑکے دھکے گئے۔ بچے اور ڈرے ہوئے۔ یہ ایک ان دو جنگلی جانوروں کے چھتے سے سوچیں نکل آیا۔

اسحاق نے انھیں ہلکے سے اپنے پاس بلایا کہ نہ کہ وہ دیکھ رہا تھا کہ یہاں سے وہ لوگ جہاں گئے تھے وہاں یہ لوگ ایک گڑھا کھود رہے تھے اور گڑھے میں سے ایک جڑ بہت چڑی، بھاری، ذوقی اور بولی نوردار ہو چکی تھی۔ اسحاق نے جھک کر جو کو باخو سے لیا اور اسے ایک جگہ سے پکڑ کر جو گھسٹا تو جڑ پر سے ایک چٹلا سا نول پیاز کے جھٹکے کا لٹن سے اتر آیا اور اس اندر سے جڑ نہایت پییدہ اور شہری شکل تھی۔ جس میں کہیں کہیں پر گھلوانی رنگ کی ایک جگہ بھی جھلک تھی۔

”یہ کیا ہے؟“ ایسا نے جھک کر طرف اشارہ کر کے کہا۔

”مجھے تو معلوم نہیں! اسحاق نے جواب دیا۔ اور اس نے پھر کون تقریباً کھٹے جانور کا اساتوں کو بلایا۔ جانور گھاٹی کے کنارے آجوں کے دو سیاہ پتوں کی طرح کھڑے تھے۔ اور اسے دوسرے بچے ہوئے تھے۔ لیکن وہ قریب دھکے۔ ان میں سے جو عورت تھی وہ پھر

بھاگنے لگی مگر رونے اسے باقہ سے پکڑ لیا۔

جب اسحاق نے زور سے پٹاکے اور اسی زبان میں اس سے پکڑ کہا۔

تب وہ دونوں دھیرے دھیرے اس کے پاس آ گئے۔

خیرت: مگر اسی قدر بولی نکلی اور سیادھی بٹکا مودھا۔ دونوں کے ہم انتہائی دھڑک

اور بھوکے تھے۔ مگر یہ کہیں پر نہیں گولت نہ تھا۔ موت کے پہلے میں سو گئے سیادھی۔ نکلے تھے

تھے اور وہ صرف اسی پستانوں کی وجہ سے مروے الگ پہچانی جا سکتی تھی۔ وہ اس کے اور

مروے کو لٹھوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ مروے کر کے گرداک: "اے پادشہ! کھانا جبریں ایک

چار گز کپڑے کو باندھ کر۔ اور اسی طرز عورت نے ہم۔ اپنی ستر پیش کرنے کی کوشش

کی تھی۔

تھوڑی دیر تک اسحاق ہی دونوں سے بات کرتا رہا۔ ان دونوں نے انکار نہیں

کئی بار سر ہلایا کبھی اٹھتا تھا۔ وہ ایک بار چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے جواب بھی دیا۔ اس

کے بعد اسحاق نے زمین میں گدی بیٹھ کر ایک طرف اشارہ کر کے پکڑ کہا اور پھر ایسا سے جواب

ہو کے کہنے لگا: "آؤ اب آگے چلیں۔"

تھوڑی دور آگے جا کے ایسا نے اس سے پوچھا: "کون تھے وہ لوگ؟"

دھیرے دھیرے رشتہ دار تھے۔ "اسحاق نے جواب دیا۔

ایسا زور سے پٹائی: "تھوڑے؟"

میں! "اسحاق نے ڈری دیکھی سے جواب دیا میں اور ان کو بڑا آقا نو خیر ہیں

دور کا ہے۔

ایسا بھنگی: بولی: "تب تو میرے بھی رشتہ دار تھے وہ۔"

"ہاں۔ اسحاق بولا۔ مگر ہم میں سے کسی نے بھی ان سے رشتہ داروں کو ساملوک

نہیں کیا تم نے ہم سے نہیں کیا۔ ہم نے ان سے نہیں کیا۔"

ایسا بولی: "بڑے بھوکے معلوم ہوتے تھے وہ۔"

اسحاق نے کہا: "ہاں وہ درختوں کی جڑیں کھود کر کھا رہے تھے اس پر وہ کوہ کند

میں کہتے تھے۔"

ایسا نے نظر اٹھا کر دور آسمان کی طرف دیکھا۔ کیونکہ زمین پر ان دونوں خوشی بھوکا

سایہ پڑا شخصیت وہ تھا۔ وہ پہلے آسمان پر ایک بھائی جہاں آؤر با تھا۔ پند سے بھیجی کی سمت

جا رہا تھا۔

و آسمان کو دیکھتی ہیں تو میں صدیوں صدیوں پہلے رہتی ہے۔ نیچے زمین کو دیکھتی ہیں تو

— تو کوئی صدیوں پہلے رہتی ہے؟ اسحاق! ایسا نے تجھ سے ان کی طرف

دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اسحاق نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے چلنا بہا۔ وہ اور ایسا لگائی کے

اوپر پہنچی گئے تھے اور جہاں پہلے ایسا اور اسحاق کھڑے تھے، وہاں وہ دونوں خوشی ایسا

پہنچی گئے تھے۔ تھوڑے عرصے میں ان دونوں نے جھک کر جاکو کھود کر باہر نکال دیا۔

اور اپنے ناخنوں سے اس کے چھلکے چیر چیر کر اس کے اندر کا گودا اس طرح کھنڈی کھنڈی

کمانے لگے کہ کبھی کبھار دھڑکتے ہیں تھوڑی سی جھپٹا جھپٹا بھی ہو جاتی۔ ایسی شہید و شہید

زندگی تھی بھوک کی ان دونوں کی آنکھوں میں۔

"دیکھو دیکھو۔" ایسا ایک عجیب کراہت اور نفرت اور دم کے طے پہلے انداز

میں بولی۔

"میں نہیں دیکھ سکتا۔ میں نہیں دیکھ سکتا۔ اسحاق وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

اور پھر ایک بھلائی کے پیچھے جھک کر اٹھ کر گئے۔

ایسا نے اسے آکے منہ مارا۔

تو کس کو کی چوٹی پر بیٹھے بیٹھے وہ دیر تک مغربی گھاٹ کے چھیلے ہوئے سلسلہ کو دیکھ رہی تھی۔
مڑھاراؤں، ڈھلوانوں سے لڑائی گھاٹے گھاٹے میدانوں پر آجاتے۔ وہاں سے ایک بگلی نہ بند
تکاء نہ مچ رہی تھی جس کے پاس نہ چنگ باجھا۔ اور مندریں ایک ٹاٹ باؤس کو آتا تھا۔

ایسا لے اپنی دور میں سے سب کچھ دیکھا۔ پھر اسحاق کو دکھایا۔

مادر سے تو بھلی کے قریب ہی ایک ٹاٹ باؤس ہے۔ اسحاق خوش سے چلا۔

وہاں! ایسا نے آہستہ سے کہا۔ ابھی وہاں میرا ٹاؤنڈ رہتا ہے۔ ایسا کی آواز
تک گہرا اطمینان تھا۔

ایسا کا گہرا اطمینان ابھی ایک نچر کی دل اسحاق کے دل میں گہرا گہرا گیا۔ یہ پہلی بار
جہاں میری — جیل رہتی ہے! گریمری کسی طرف! وہ تو —

اس کا جہم سر سے باؤس تک کا پھٹنے لگا۔ اس کی آنکھیں جھڑکیں۔

ایسا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ تو پھر محنت کرو گے!۔۔۔ ہر گز نہیں کہیں نہیں دیکھنا
میں محنت صرف ایک بار ہوتی ہے۔ اسحاق نے ٹہرے ٹہرے ہوش سے کہا۔

ایک بار بھی ہوتی ہے۔ ایسا نے جیسے خیرید لیجھتی جواب دیا۔ اور کئی بار بھی
ہوتی ہے۔ اور ہر بار یہ محنت پہلی بار کی طرح تھی یا کینہ اور گہری ہوتی ہے۔ ہر بار محنت پہلی بار
سے بالکل الگ، بالکل نئی، مگر اسی طرح بالکل نئی اور گہرے تعلق کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ میں
تم سے پہلے تجربے کی بنا پر کہتی ہوں۔ گو گو کہ مذہب کے ٹور سے۔ اخلاق کے ٹور سے یا سامان
کے ٹور سے اس کا اتوار نہیں کرتے مگر یہ بات بالکل سچی اور سچی ہے۔ میں محنتوں کے دو پہلو
ایسے تجربہ ورہ بیان مادہ و سامان تھے ہیں جب دل کی داریوں میں کچھ نہیں گاتا۔ جب ہر چہ کا
پانی مر جاتا ہے اور ہر شاعری پرورد ہوا جاتی ہے۔ جب نظر ایک جہز چنے کے لئے اور سارے
ایک منبر سے لئے کے لئے ترقی رہ جاتی ہے۔ اور انسان اُمید دیکھ دیکھ کر چوٹا ہے کہ
اب کچھ نہ ہوگا۔ مگر پھر پہلا ساقی ہے۔ پھر نئے پھرتے ہیں، پھر چپٹے آتے ہیں، وہ لفظ

تک تک منہ پر چٹے چٹے ہندو چٹے چٹے جاتے ہیں۔ ڈاڑھی تو اسحاق کی گڑس دنیا میں بیسار ایک ہی
بار آتی، اگر شارع پھر بھی وہیں نہ ہی نکلی، اگر گہرے دھم میں منہ نہ ہو سکتے۔ تو یہ کس قدر شوق تھا
"میں سب گھستا ہوں۔ مگر کیا کروں۔ میں شاید اپنی مرضی کا ملک نہیں بنا سکتا۔

سے بار بار کہتا ہے۔ ان کا وہ تیرے لئے سب کچھ ختم ہے۔ ناخدا اور اس چوٹی سے چھٹا لگتا ہے۔
ابھی ابھی تھکے قریب بیٹھا ہوا میں سوچ رہا تھا کہ یہاں سے صرف دس قدم پر موت ہے
موت جسے لوگ اس قدر شکر سمجھتے ہیں۔ وہ اصل کس قدر آسان ہے۔ اس چوٹی پر کہیں بھی،
کسی طرف بھی میں دس قدم آنکھیں بند کر کے چلوں، مجھے موت آجائے گی۔ تو یہ قدم پر چوٹی ختم
ہو جائے گی۔ دسویں قدم پر — موت!"

ایسا گھبراہٹ سے بولی۔ تم نے اسے حق ہو۔ آؤ۔ واپس چلیں۔ میں قصص خواہ خواہ اس
بہاؤ کی چوٹی پر آؤں۔

اسحاق نے کہا۔ نہیں ابھی دو دو تک تو کوئی خطرو نہیں ہے میں نے اپنے تپ
سے چھ دن تک کے لئے دھرمے کا وعدہ کیا تھا پارلر میں لگے۔
ایسا اور وہ دونوں چپ چاپ چوٹی سے چھٹے اترنے لگے۔

ایسا کا چہرہ بادلوں دیکھ کر اسحاق کو مطلقاً غائب ہو کر اس کی ہر طرف سے
جب ایسا نے اسے اپنی غریبائی تو وہ حیرت میں آگیا۔ ایسا روز بھول میں نہ غصہ ہی
وہ ہاتھ کے نزدیک ہوئے منتظر میں غصہ ہی تھی۔ تو کس ناز سے واپس آئے وہ کچھ کھانے
کے لئے اپنے ہوش بھلی گئی۔ اسحاق نے اسے دیکھ کر ہلکا سا گہرا دیکھ کر کہنے لگی۔ کچھ کھاد
میں اپنے خاوند کو کھانا کھوں گی۔ اسے اپنی آواز کی تانیخ اور گڑھی کے وقت کی اطلاع دو گئی
اس کے بعد ڈاڑھا سوسوں کی پھر شکم کو ہم دونوں دھرمے کے کنارے کے گھسنے بائیں

تھادی یہ خالیں کی پتھوں نہیں چلے گی اس موقع کے لئے، کیونکہ گارڈز کے پانی میں سے پلانا پڑے گا۔ نیکروپس کے آنا اور پانی بچے ہونے مشکل میں پہنچ جائے گا۔

ایسا کے چلے جانے کے فوراً بعد وہ ڈانٹنگ ہال میں کھانا کھانے چلا گیا کیونکہ لٹی کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ ہال میں اس وقت کوئی نہ تھا، صرف ایک نیرہ ایک چنگبر سے منہ والا لکھنے والوں اور ڈھیلے ٹھکانے ہاتھوں والا آدمی کھانا کھا رہا تھا اس کے سر پر ایک مارواڑی وضع کی گڑھی تھی اور وہ اپنے ہاتھوں میں ایک بہت بڑی لکڑی چھپے ہوئے تھا جس کا پیسہ گینہ لکڑی لٹی میرے کا تھا تو یہ اس ہزارے کم نہ ہوگا۔

اسحاق نے اپنی بیڑ پر بیٹھ کر لٹی کا گرد سے دیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ چنگبر اور اس سے اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ لٹا ہوا کہنا چاہتا تھا، مگر بھی سوچی کہ اسحاق بات کرنا نہ چاہتا تھا کہ اس میں بڑک فرائیڈ سے کیونکر بات کی جا سکے گی۔

”اے سٹرا“ چنگبر نے بڑی ٹوٹ سے اسے بلایا۔
 ”کیا ہے؟“ اسحاق نے اس سے لگنی ٹوٹ سے اسے جواب دیا۔
 ”یہ پاکستان والا کم کو تھکا دکھاتا ہے!“ چنگبر نے اسے پر سے انہار اٹھا کر ہاتھ میں چھلاتے ہوئے کہا۔

”تو میں کیا کروں؟“ اسحاق نے پوچھا۔
 ”ہمارے ملک والا اس کو کیوں دیکھ نہیں دیکھتا ہے؟“ چنگبر بولا۔
 ”تو میں کیا کروں؟“ اسحاق نے پھر پوچھا۔
 ”تم سالانہ ریکارڈ کر سکتے ہو۔“ چنگبر نے جھجک بولا۔ ”مگر تم پوچھتا ہے، ہمارے ملک کے گورنمنٹ کو کیا ہوا؟ اس کو تھکا کیوں نہیں دیکھتا ہے۔ سالانہ“
 ”تھکے ہادی سے لڑائی شروع ہو جائے گی، چنگبر نے۔“

”ہو جائے۔“ اپنے کو یہی بتاتا ہے۔ ہندوستان پاکستان میں لڑائی ہو تو سالانہ کھانا دل ٹھنڈا ہو۔ سالانہ ریکارڈ کرنا چنگبر ہمارا خون گرم ہوتا ہے۔ چاہتا ہوں کہ ہم چنگبر نہیں رہے۔ تم لکھی نے گھٹا بتایا۔ امارو نام چنگبر لال بھیسریا ہے۔“
 ”تم ہندوستان اور پاکستان میں جنگ کیوں چاہتے؟ اسحاق نے پوچھا۔ ”کیا تمھارے وہاں کوئی رشتہ دار رہے گئے تھے؟“

”نہیں!“

”پاکستان سے تمھیں اپنی جائیداد چھوڑ دے جا کر چلا۔“

”نہیں!“

”پاکستان میں تم کس کو ہاتھ ہو؟“ اسحاق نے پوچھا۔

”نہیں۔“ اسحاق نے پوچھا۔ ”پاکستان میں نہ میری کوئی جائیداد ہے، نہ رشتہ دار، نہ میری کوئی دشمنی ہے۔“

”چنگبر کیوں جنگ چاہتے؟“

”چنگبر بولا۔“ تم سالانہ ریکارڈ کرنا چنگبر ہمارا خون گرم ہوتا ہے۔ چاہتا ہوں کہ ہم چنگبر نہیں رہے۔ تم لکھی نے گھٹا بتایا۔ امارو نام چنگبر لال بھیسریا ہے۔“

”شاک اسٹیج کا؟“

”سمجھ گیا۔“

”بھیسریا اپنی بیڑ پر بیٹھ کر تھکا دے گا۔ تم کیا کہو گے؟ سالانہ ریکارڈ۔ یہاں چلا جا تو شاک اسٹیج کو ہندو نہیں سمجھتا، نام کو جس سال ہو گیا ہے وہ ہندو کرتے تھے۔ ہمارا جو میں نہیں آیا۔ تم کیا کہو گے؟ میں اپنی تو یہ جانتا ہے، جہاں جنگ چلی ہے جہاں لکڑی رہتے تو اپنا سالانہ شاک اسٹیج پر کھڑا ہوتا ہے۔ سالانہ سے کوریا

میں ملائی بند ہوا ہے، اپنے دھندے کا کچھ پتہ ہی نہیں چلنا۔
 تو اس لئے تم پاتے ہو کہ لگاؤ کہیں نہ ہو تو پاکستان اور ہندوستان میں جنگ
 ہو جائے۔ جنگ میں شاید تم پہلے روزی بھرتی ہو جاؤ گے؟
 چنگیز ہنسنا بولا: تم سارا لڑاکو لگ رہے ہو، تم سب کا کام کرنا ہے اس سے ہم ساتھ برسرِ کا
 بڑھا ہے۔
 "تو تھارے دینا تو ہو گا کوئی؟"

"ہمارے تین بیٹا ہے، مگر تینوں ہمارے ساتھ کام کرتا ہے، لڑنا لڑا دھندا
 نہیں ہے، ہم شہا ہی نہیں ہے۔"

"میرے کئی بات ہے؟ اسحاق نے کہا: "ہوگیا جنگ کی بات اس قدر شدت سے
 کہتے ہیں وہ تو کبھی نہیں لڑتے، وہ تو کبھی بھرتی نہیں ہوتے، کبھی مزدق نہیں کھوتے، کبھی
 گولی نہیں کھاتے اور جب جنگ تم ہو جائے تو انہیں پہلے سے ڈرا تھیک پہلے سے ڈرا
 عہدہ پہلے سے ٹہری وزارت سوپ دی جاتی ہے کیوں اسلئے یہاں صرف قبروں کی کفرت
 ہے، اسلوں کی نہیں؟ کیوں؟ مجھے بتاؤ نا چنگیز؟"

بھیسرے نے بات کا سرخ پھٹنے کے لئے کہا: "سوپ تھنا ہو رہا ہے، اور پھر
 میں تم کو اپنا نام بول چکا ہوں، میرا نام بھیسرے ہے، ا بھیسرے ہے؟ چت بکرا نہیں؟"
 "چت بکرا نہیں، چت بکرا؟ اسحاق اسے کھانے لگا۔
 "چت بکرا کیا ہوتا ہے؟"

"جیت عہدہ نام ہے سیڑھ، خاص کر خضار سے لئے تو بالکل موزوں ہے۔
 بہت ہی دینا اور عہدہ نام ہے، اپنی بیوی سے کہو وہ تمہیں اسی نام سے پکار کرے؟
 "میرے گاڑی کر لگی ہے، بھیسرے نے بہت دیر عہدہ جو کر کہا، مگر تم نے کبھی
 محبت کی ہے؟" اسحاق نے پوچھا۔ "سیڑھ؟"

چنگیز سوپ پینے پینے ہنسنا، اس کی بو لے کی ہی منہ میں بھرتی لگیں۔ ہنسی کے
 ساتھ سوپ کا فوراس کے کپڑوں پر بکھریا۔

چنگیز نے بڑی تنگی سے کہا: "اس سے دیر میں محبت کرنے کا رواج نہیں
 ہے، اس کو بہت بُرا سمجھا جاتا ہے، تم سارا دیر لوگ جب ٹیوٹا محبت کی بات کریں گا، ام
 کو بونٹ کے پرو پڑا نہ لے، تھلا اور مارا سے بونٹ میں ایک ڈکڑ تین پاروں سے کے ٹھہرا
 ہے۔ ام نے کہا ام ایک دن تم سے بات کریں گا، تم کون سے اکھاڑی کام کرتا ہے؟"

"اکھاڑی نہیں، کتاب لکھتا ہے جنگ باب۔"

"کون سا باب، ریں کا باب؟"

"ریں کا باب نہیں، اول۔"

"نا اول، ہم نے کبھی نہیں پڑھا۔"

"تم نے کبھی نا اول نہیں پڑھا، کبھی محبت نہیں کہ، اور کبھی شفق میں نہیں دیکھی؟"
 "وہ کیا ہوتی ہے؟"

"جانے دو، سیڑھ، کچھ کھاؤ، تم نہیں کھو گے، اسحاق نے بڑی نا اُمیدی سے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ تیسرے کورن پر چنگیز نے پوچھا، تم کون سی
 جہان میں کھتے ہو؟

"اردو میں؟"

"تو تم مسلمان ہو، چنگیز نے ایک تکلیف دہ حیرت سے پوچھا۔

"ہاں؟"

"نہیں؟"

"میں بھی کیا؟" اسحاق نے چنگیز سے کہا۔

"کچھ نہیں؟" چنگیز آہستہ سے بولا۔

۱۔ کچھ تو کہو، جہاد، صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے : اسحاق نے پوچھا۔
 ۲۔ صاف صاف کہہ دو : پتنگیہاؤں : تم پر اذیت ہو گئی ہے۔
 ۳۔ جیسے : اسحاق نے چڑی جھجھکی سے سر ہلاتے کہا کہ مگر اس کا خون اندر سے کھولنے کا
 ۴۔ بات یہ ہے کہ تم سب مسلمان قرار دیتے ہو :
 ۵۔ تھوڑی دیر تک کمرے میں بیٹھا تھا بار بار اسی کا تھکھک وہ سنا اور اسحاق کو اپنی سانس
 ۶۔ میں کتنی محسوس ہوئی۔

تھوڑی دیر کے بعد اسحاق نے کہا: "میں دوسرے مسلمانوں کی بات نہیں کرتا چاہے صرف اپنی بات کرتا ہوں۔ اگر تھک کہتے ہو کہ میں اسحاقی، غدار ہوں یا کلم، سو تو صرف یہی مشکل غدار ہوں۔ تمہارا اور تمہارے ایسے ان کام گوگوں کا جو ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چاہتے ہیں، اور یہی کم کر دینی بتاؤں بیٹھ کر میں صرف تمہارا اور تمہارے ایسے لوگوں کا ہی غدار نہیں ہوں، میں تو ہر اس آدمی اور ہر اس خیال اور ہر اس عقیدے کا غدار ہوں جو صرف ہندوستان اور پاکستان کی لنگری لگی ہوئی ہو سکلوں کے درمیان جنگ چاہتا ہے۔ تو تو غدار ہوں لغوت کا اور جنگ کا اور ہر آدمی کا۔ اور وہ غدار ہوں تو غلوں کے درمیان محبت کا۔ وفا کا اور پیار کا۔ میں تو وہ غدار ہوں، بیٹھوں کی عصمت کا اور جمہوروں کے پیار کا۔ اور دشمن ہیں عورتوں کی، بچوں کی، جنگ کا، محبت کے قاتلوں کا اور تمہارے ایسے منافق اور سوداگروں کا۔ جو شک کی بجائے یہ غریب لوگوں کی قربانی دیتے پھرتے ہیں۔"

آغا بک کے اہل حق نے اسے زور سے اپنے تیسرے گھر کی دیوار پر لٹکے ہوئے ایک خط پر کھینچ دیا کہ وہ خط کس شخص سے لکھا گیا ہے اور وہاں سے پتا چلے گا کہ وہ ہمارے دشمن ہے یا
 گری اور اگر حکومت کے لئے ہوگی۔ یہ خط کس شخص سے لکھا گیا ہے اور وہاں سے پتا چلے گا کہ وہ ہمارے
 میں سے ہے یا نہیں۔ اس خط کے لئے اس کی کاپی کی ہے اور اس سے باہر اسے
 مصلحتاً یہ خبر نہ دی جائے۔ یہ خط کس شخص سے لکھا گیا ہے اور وہاں سے پتا چلے گا کہ وہ ہمارے

اسحاق اس وقت تک جاں بے جا ہر جا گیا تھا۔ مارتے بیٹے کے اس کو سلا جہاں کا نہیں رہا تھا اور اس کو جو پناہ چاہتا تھا کہ وہ میٹھ کے گھگھریا جاتے ہوئے گلی کے گھونٹ گھونٹ کر مار ڈالنے اور اس کو جلی سا وہ اندر سے محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت:

تھوڑی دیر کے بعد منجرا اور پروہا پراخیز پتھر سے سینا کو لے کر اس کی کالچ میں آئے۔ منجرا بولا: پروہا! تم سب آپ سے کہہ بات کرنے نکلے ہو۔
اسحاق اس وقت دکان منگرٹ پہنچا جا رہا تھا۔ بولا: "بات کرنے کی ضرورت ہے۔ میں خود ہی کچن شام تک ایک کو دیکھی ہو، دوسرے ہو مل میں، تھوڑے لمحوں میں اور یہاں سے جا رہا ہوں گا۔"

”پھر کہیں!“ ٹھوکرے دو ہارو کھا۔ ”پر پوچھ کر صاف آپ سے بات کرنا چاہتا تھا۔“
 ”کیا ضرورت ہے بات کرنے کی؟“ اسحاق پوچھا۔ ”مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ میری
 نقلی کرتا ہوں۔ میرے سیڑ کے منہ پر ٹیبلٹ پھینکیں، دیکھ کر کے کہ مجھے کوئی حق دے گا۔ میرا
 بے حد شرمندہ ہوں، اور جیتا ہوا مطلب ہے جیسے اس شخص سے معافی مانگا ہوں۔“

اسحاق نے سیط کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ سیطہ ہنسنے لگا۔ یہ وہی سیطہ ہے جو پہلے
اور وہ دونوں اسحاق کے اٹھارے بیٹوں میں دھنس گئے۔ سیطہ نے کہا: ”مکمل میری جی“
قادیں نے اسی بات کو بدیہی جو سب مسلمانوں کو پڑی تھی۔ ام کو کیا معلوم تھا وہ سالہا سالہ
مسلمان ہیں۔“

ہوئیں کا وہ چار لڑکیاں ایک دوسری تھیں۔ نو بول چلا۔ بڑے بڑے خرگوش کے سے کان
 مٹھا چڑھائی میں لگتا ہوا اور لمبائی میں ضرورت سے زیادہ لمبا اور تنگ میں چپتا چپٹا۔
 انتہائی نیچے بیویوں والے، ناک میں گھسٹ لگتا تھا۔ یہاں سے صرف کچھ کا کام لیتا تھا۔
 اس کا کوئی کوئی لڑکی انھیں بہ وقت چوکی لڑائیں اور کچھ ٹوٹ کا دیاں کنارہ بہ وقت ذرا
 فلاں دیر کے بعد خود بخود ایک طرف گاس طرح کھینچتا جیسے کسی نے صدمہ کے اندر ایک

”کیا؟ کیا؟“ کس کام سے تم یہاں آئے تھے؟“ پروپرائیٹر نے طنزاً پوچھا۔
اسحاق نے فیصلے میں جھوٹ کر کہا: ”میں یہاں بزم میں ہانے کے لئے آیا تھا نہیں
اس سے کیا؟“

ہر جہی نے صوفے پر سدا اٹھتے ہوئے کہا: ”میں نے پولیس انسپکٹر کو پوچھ رکھا
ہی ہے۔ پولیس ایگ آئی ہوگی۔ دو تھوڑے ایسے مہاشوں کو تھپک بزم کو راست دکھا سکتا؟“

کھڑے کی حوالت بازار اور ریلوے اسٹیشن کے درمیان ایک اونچے پتھر کے
پر واقع تھی۔ سب انسپکٹر سامنت اسحاق کو ڈال کر بہت خوش ہوا۔ مارے
خوشی کے اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس خوشی میں اس نے اسحاق کو پانے میں بلانی،
ڈبل روٹی بھی کھلائی، اور تقریباً اس سے اس طرح کا سلوک کیا جیسے وہ حوالت میں نہ آیا ہو۔
اس کے گھر بھان آیا ہو۔ بعد میں جب سب کچھ ہو چکا۔ اور رستہ میں آمد رانی ہو چکا اور
روز نا چکے میں پہلے کھڑی گئی تو سب انسپکٹر سامنت نے بڑے اطمینان سے اسحاق کے
پاس بیٹھ کر اس کی تشریح بھی کی۔

سامنت ایک اوجھڑا آدمی تھا۔ میانہ قدر مگر موٹا بچے کی وجہ سے اور چھوٹا
دکھائی دیتے (۱) تھا۔ اس کے چہرے کے چہرے کاٹوں پر جھنجھکی ہو جیٹیں اس کے چہرے کو
ایک عجیب قسم کی شفقت دکھا کرتی تھیں۔ اس کے نوچے تھے اور دو تہیں دیکھ رشتے دار
تھے جو اس کے گھر پر چڑے رہتے تھے۔

”زندہ رہنا بہت مشکل ہے بھائی۔ سامنت اسحاق کو کھانے لگا۔ مگر ہر پانچیس
انٹیش ہو۔ بڑی مصیبت ہے ہر گز۔ اب دیکھو یہاں کھڑے سڑک کی بوتلیں ہیں۔ مارے
سویا ہوا قصہ ہے۔ یہاں کچھ ہوتا ہی نہیں۔ کوئی چوری نہیں کرتا، نقل نہیں کرتا، اغوا تک کا
کیس نہیں آتا۔ پہلے جب کھڑے تھے وہی گروہ کے لئے ہیستل تھا تو اس پاس کے
علاقوں سے لوگوں کے ہمارے گئے کے اور اغوا کیس بہت آتے تھے۔ اب تو جانے ڈیڑھ
کیا ہو گیا ہے۔ حوالت کی گئی جیسے غلیں چڑھ رہا ہے۔ اب سب انسپکٹر کا کاروبار کر کے
دکھانے کو بھیجے؟ اور اس کی ترکی ہو تو کیسے؟ تو تو میرے بچے میں بھائی، اور مجھے حال
دیا ہے کھڑے ہیں۔ میں کیسے کر کرتا ہوں میں ہی جانتا ہوں۔“ افسر شوگ بکتے ہیں
کر پولیس انسپکٹر کو باطل اور سرگرم بنانا چاہتے۔ اب یہ کیا اسے سرگرم دکھائیں۔ لوگ اس
قدر مشتعل ہو چکے ہیں کہ کوئی ہم ہی نہیں کرتے اب میں بزم کا کو تو نہیں سکتا زمین سے۔
کیا کروں بزمی مصیبت ہے۔ ویسے یہ حوالت بہت لگنا چکے واقع ہے۔ اس کو کئی کے نظم
ریلوے اسٹیشن پر لگنا رکھتے ہو۔ اور اس دور میں کو کئی سے حصار کی لگاؤ ہو بل۔ روک
جاسکتی ہے۔ اس علاقے میں یہ جہز میں حوالت ہے۔ لٹو پولیس اسٹیشن کے پاس بھی
آئی لگنا حوالت نہیں ہے۔ لٹو لگنے کو حوالت تم نے دیکھا ہے!“

اسحاق نے سنا کر کہا: ”زندگی میں پہلی بار حوالت دیکھ رہا ہے۔“

سامنت نے بڑی شفقت سے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر کہا: ”کوئی بات
نہیں۔ بہت آہستہ مشق ہو جائے گی سبزیل پارا قافی طیب سا لگتا ہے۔ یہاں اوپر کھڑے
میں حصار کوئی خدشہ ہو سکتا ہے؟“

اسحاق نے رک رک کر کہا: ”یہاں۔ تو۔۔۔ میں کئی کو نہیں جانتا۔“

”اچھا بہت اچھا۔“ سامنت کے چہرے پر خوشی کی لہلہ دوڑ گئی۔ چورس نے کہا:

”اب یہی ہیں؟“

”بھئی میں بھی نہ کوئی نہیں ہے نہ اسحاق نے ڈر نہ گھونڈ ہو کے کہا۔

”بہت اچھا، بہت ہی اچھا ہے؟ سامنت بے حد خوش ہو کے بولا۔ ”تو اس کا مطلب یہ ہو کر ختم کچھ دن ہمارے یہاں رہو گے۔“ بھی یہ تو بہت اچھا ہے۔ ”میں تو یہاں پولیس سٹیشن میں کچھ دنوں کے لئے مقرر ہوا تھا۔ ہاں ذرا اس حالات میں رات کو کچھ بہت ہو جاتے ہیں۔“ ”میں نہیں ایک ہفتہ تک بھیج دوں گا رات کو رات کو آکر سو جانا۔“ ”چلے ہاتھ نہیں ہٹائیں گے۔“

”اسے عہدہ تجید۔ سامنت نے ایک سپاہی کو آواز دے کر کہا۔ ”صاحب کے لئے ایک چائے اور لے کے آؤ۔“ ”آنگاہ کے سامنت وہاں سے چلا گیا۔ اور عبد الغیب چائے کی ایک پیالی اسحاق کو دے گیا۔

چائے پیا کر اسحاق نے محلات کے چاروں طرف نظر ڈالی۔ محلات چپ اس کا ساتھ صرف ایک آدمی تھا اور یہ بہت بڑا غریب آدمی تھا۔ اور جب سامنت اس کے گنگو کر رہا تھا۔ تب بھی وہ دیکر اسحاق میں غریب و غریب آدمی کی طرف دیکھ دیتا تھا۔ مگر میں کل طریقے سے سامنت نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ اس سے اسحاق کو جرات نہ ہوئی کہ سامنت کے ہوتے ہوئے وہ اس آدمی سے بات کر سکے۔ یا اس کے متعلق پوچھ ہی لے۔ ہاں اب سامنت اور سپاہی کے ہانے کے بعد وہ اس آدمی کی طرف مڑا۔

”سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ اس آدمی کا ایک کان دھڑکا رہا تھا۔ وہاں پر ایک مندریل زخم کا جڑا سا نشان تھا جو داہنے دھڑکا رہا تھا۔ پھر اس آدمی کا ایک بازو بھی دھڑکا رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ ایک نعل ایک نما بازو لگا ہوا تھا۔ پھر اس آدمی کی ایک ٹانگ بھی تھیں۔ ایک بیسٹھی اس کے پیچھے و سلامت بازو کی نعل سے نیچے تھیں۔ یہ تھی۔ دائیں بازو اور بائیں ٹانگ کے کٹ جانے سے اس کا

جسم غریب بے ٹول اور بے ٹوٹکا سا ہو گیا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں بہت بڑی بہت سیاہ اور بہت گہری تھیں اور ایک غریب قسم کی پشامت سے معمور تھیں۔ اور گو اس کا رنگ گہرا سیاہ تھا لیکن جب کبھی وہ سکتا تھا تو اس کے ہونٹوں میں اس کے پیچھے کی صورت دانت و تیروں کی لڑائیوں کی طرف پھٹتے تھے۔ اس کی مسکراہٹ بے حد غور انگوار تھی۔ اور مسکراہٹ کا تعلق ہمیشہ رشت سے ہوتا ہے۔ اسحاق کی محسوس تھی کہ طرف گھور کر دیکھتا رہا اور اسے اس غریب و غریب انسان میں ایک غریب و غریب کشش نظر آئی۔

اسحاق نے کہا۔ ”اس وقت محلات میں ہم صرف دو جڑے۔ کیوں نہ اپنا قصا ملے ایک دوسرے سے کروں۔“ ”یہ انعام اسحاق ہے؟“

”میں انت مزدور ہوں؟“

دونوں نے ہاتھ ملایا۔ ”انت مزدور کا آج بھی بک اور اسحاق کی پانچوں آنکھیں ایک غریب و غریب مصائب میں گھٹ گئیں۔ ایک غریب قسم کی جو مچری اسحاق کے صبر میں ڈوٹ گئی۔ انت مزدور نے پوچھا۔ ”تم کیا کام کرتے ہو۔“ ”مگر یہ بتا دو تو میں یہ معلوم کر لوں گا کہ تم نے کیا جرم کیا ہو گا؟“

اسحاق نے مسکرا کر کہا۔ ”میں ایک ادیب ہوں؟“

انت زور سے ہنس اٹھا۔ ”کیوں تو انت نے اسحاق کے دل کو بھگایا۔“ ”تب تو تم نے کب شراب پی ہوگا اور تمہارے پاس شراب کا پرست نہ ہوگا اور ہونٹ میں اگر کچھ لیس نے تمہیں گرتی کر لیا ہوگا۔“

اب کے اسحاق کی ہار تھی دور سے جھٹکتی۔ اس نے کہا۔ ”پاکل غلط، چھپرہ یہ لازم ہے کہ میں نے ہونٹ کے کونوں کو مالک کے خلاف جھڑکایا ہے اور کشائی کی اہلی پران سے دھڑکا کر داریے۔“ ”مالک مجھے اس پر سے واقعہ کا کوئی علم نہیں ہے۔ میں نے سمجھا ہے اس کے تعلق کچھ کہا ہی نہیں۔ میں تو یہاں ایک اور جی کام سے آیا تھا مگر اس کو

ساتھ۔ میرا بھی کام کیا، بازو دکھایا، ٹانگ دکھائی دو تو ہمارے قسمت بھی کبھی کسی طرح بچ گیا؟
 ”بھئی کبھی باہر کی کبھی؟ اسحاق نے پوچھا۔ اس سے تو بھید بہت تھا کہ تم جانتے آ۔“
 مرویج نے کہا۔ ”پچھلے میں بھی تعدادی ہی طرح سوچا تھا۔ آج سے آج سے میری دل کے
 بھی کافی زندگی کے حلقے پہنچ گئی اور اب، دو کچھ لو اب تو میں زندہ ہوں اور خوش ہوں اور
 زندہ رہنا چاہتا ہوں۔“
 وہ تم کیا کام کرتے ہو؟

”میں بازار میں جو کچھ جاتا ہوں اور بچا لے جاتے ہیں وہی وقت کرتا ہوں۔ میرا
 کام بہت قلیل ہے۔ اس نے میرے پاس کوئی کام کی کوئی گئی نہیں ہے۔ پھر میں یہاں
 آیا۔ جوت سے جوت سے لوگوں کو صلاح دے رہا ہوں۔ بازار کے دوکاندار، چھوٹے چھوٹے
 کسان، ملازم پیشہ تو جتنی گھونٹا مجھے سنانے آتے ہیں، مجھ سے غور کرتے ہیں۔
 پانچواں اور آٹھواں۔ ”کوئی اس کے لوگوں کے بہت سے جھگڑے کر لیا ہیں تو جانتا ہوں۔
 انھیں پتا۔ یا نہ ادا کرتے۔ جاننے کی ضرورت نہیں پڑتی اور یہ انھیں پتا ہوں کوئی ایک
 ملید کو کم کر رہا ہوں اور“، سننے سے بہت زیادہ ڈنکا بجے۔
 ”شاید اس نے سب کچھ سمجھتا تھا کہ تم سے ٹھیک طرح سے بات نہیں کرتا،
 تم اس کی روزی پرکات مار رہے ہو۔“

مرویج ہنس نکلا۔ چار چار دانگ کچھ پری میں کوئی نہیں پتا اور یہ کسی سے
 کوئی نہیں بھی نہیں جانتا، اپنے جتنے کا اختیار جانتا ہوں، اور فیصلے کرتا رہتا ہوں۔
 ”تم فرمے کچھ ہو۔“
 ”میں کچھ نہیں ہوں۔“

”میں کچھ نہیں ہوں۔“
 ”میں کچھ نہیں ہوں۔“
 ”میں کچھ نہیں ہوں۔“

لے مجھے حالات میں ڈال دیا۔
 ”تو پر و پلا نہ کر کوشش کیسے ہوا؟“
 ”اس کا اور جنگ کے مضمون پر وہی ہوئی میں تنظیم ایک اعلیٰ سینٹر سے سپردی
 بہت طرفی ہوئی اور بہت کی گئی میں میں نے کھانے کی پلیٹ کھینچ کر اس کے منہ پر
 دے دی۔“
 مرویج اس کے قریب ہو گیا، بولا کہ تم جنگ کے حق میں رہتے ہو گے، مجھے تو اس
 قدر پیش میں آ گئے۔

”جیس، اسحاق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں اس کے حق میں ہوں رہا تھا۔
 اور وہ کچھ تو میں نے کیا کیا واقعی مجھے بہت افسوس ہے۔“
 ”نہیں تم نے کیا کیا؟“ مرویج اس کے اور قریب ہو کر بولا اور اس کا ہاتھ ہوا
 تھا فیصلہ کن انداز سے لہرایا۔ پھر اس نے اپنا اپنی ایک اسحاق کے کندھے پر رکھا کہ
 کہا۔ ”میں ہی وہ آدمی ہوں جس نے اس کے کندھے پر کھڑے کے تمام بیوقوفوں
 کا دشمن سے دشمن کرائے تھے۔ ہڈیوں والے مجھ سے زیادہ جانتے۔“

”میں سب کچھ نہیں۔ سینٹر ہر طرف سے سب جانتے ہیں۔ اسحاق نے
 کہا۔ ”انھوں نے ہی مجھے یہاں حالات میں نہ لایا ہے جیسرا سینٹر کی شکایت پر؟“
 اسحاق کچھ دیر چپ رہا۔ پھر بولا۔ ”لیکن ایک بات میری کچھ میں نہیں آتی۔ نہیں
 اس اور جنگ اس قسم کے مسائل سے کیا تعلق؟ تم اس قدر تو مجھ سے آ جاؤ ہو۔
 آج سے اس کی دکھائی دیتے ہو، تمہارے لئے تو روزمرہ کا کام کرنا اور اپنی خود اپنی زندگی
 جتنا مشکل بننا ہو گا؟“

”میں اس جنگ نے پیدا کی ہے سٹر۔ دوسری جنگ میں میں جوتی ہونے
 سے پہلے میں بھی تھا ہی طرح پورا انسان تھا۔ یہ جنگ نے ہی سب کچھ کیا ہے میرے

کے جوتے پادشے سے کھڑا لے میں طویب آدمیوں کے جوتے بنانا بھڑکام ہے، میں بہت خوش ہوں۔

لیکن تم نے یہ تو بتلایا ہی نہیں، تم ہنسنا اور جنگ کی بحث میں کیوں تپ رہے؟
انتہہ و مدح نے غصے سے اپنے تنگ ہاتھوں میں ہاتھ رکھ کر کہا: میں نہیں چوں گا خود کوئی نپے کے گا؟ تم میرا طر نہیں دیکھتے ہو؟ جنگ نے جو کچھ مجھ سے کیا ہے، کیا میں اسے دوسرے نو جوانوں پر روار کھنے کی اجازت نہیں بخوشی دے دوں گا؟ تم بہت غلط سمجھتے ہو۔ مسٹر! یہ لوگ! میری لاش کو دفن کر دیں گھڑا لے سے ایک نو جوان جنگ میں مر جائیں گے؟
”یہ لوگ کون؟“

”یہ ہونٹ والے۔ جو انگریزوں کے نہانے کے قابض آہانے کے خواب دیکھتے ہیں۔ جو کہیں کوئی ہیں، کبھی چین اور امریکہ میں، کبھی روس اور امریکہ کی کبھی ہندوستان اور پاکستان میں۔ جنگ دیکھنے کے خواب دیکھتے ہیں، میں کبھی ہندوستان میں، ہندوستان تو بس جنگا۔ پانچویں اور زخمیوں کے ہسپتال پانچویں۔“

اساتقی نے کہا: ”یہ لادری سول جنگ کو نہیں جانتے۔ سول ان لوگوں کی مدد سے کہ جہ ان لوگوں کے ہونٹوں پر ہے، میں اپنی سیال آتے نہیں، انگریز چلے گئے، منافق نعم ہو گیا۔ اب یہ لوگ انگریزوں کو قابض ہونے کے خواب دیکھتے ہیں، جنگ کرانے کی کوشش کر رہے ہیں تو کیا کریں؟“

”بہت کچھ کر سکتے ہیں؟“ مرد سرجے نے زور سے کہا: ”مگر یہ آزاد ملک اور کابل میں، اور آرام سے روپیہ کمانا چاہتے ہیں۔ میں بھی تو کھڑا لے کا بھلا چاہتا ہوں۔ میں بھی یہاں کے ایک درجن بوڑھوں کو آباد دیکھنا چاہتا ہوں، میں بھی تو اس کے بازار کو رونق کوڑھتے دیکھنا چاہتا ہوں، مگر میں دیکھتا ہوں اب یہ کام پڑانے ڈھب سے دھبہ گا، اٹھارہ روپے روز پر کرو غیر دیکھنا لے کا من دیکھنے کی طاقت

کس میں ہے؟ ان لوگوں کو اپنے کرائے اگر نہ لیں گے، سنہین کھانوں کے پہنچ کی کیا ضرورت ہے۔ بڑا بڑا میں ہاتھ دیکھو، آٹھ ہینڈل کو ہر ہینڈل دو روپیہ ایک روپیہ چار چار کرو، آٹھ گورس کا ڈاکروں دیتے ہو، آٹھ آٹھ میں چار روپیہ دو، دیکھنا ہوں کیسے بھٹی سے ہر ہینڈل کو بھٹی ہوئی گاڑیاں کھڑا لے میں نہیں آتی ہیں، کھڑا لے کے من کو عام لوگوں تک پہنچ جانے دو، وہ خود اس کی حفاظت کریں گے، مگر یہ کابل پر مری اور نصر خان بنی کیا کہا کے اس کام کو کریں گے۔ شرب ان کی نگاہ میں جاتی ہے، کبھی خود عزت نہیں کی۔ عام لوگوں سے بڑھتے ہیں اس لئے یہ انگریزوں کو والیں، انگریزوں سے زیادہ منافع کمانے کے خواب دیکھ کر کھڑا لے

جب حالات میں شام ہو گئی تو بیچ کی طرف سیدیہ اور سنا ہوا چروانے ایک مسکن ہاؤس جا کر اندام مراٹھی لڑکی اپنے ہاتھوں پر ایک تھالی کے اوپر دو سری تھالی رکھے اور ان پر ایک اور تھالی اور ان کے کھانوں کے دروازے تک آئی، عبد المجید نے اس کے لئے دروازہ کھول دیا وہ مراٹھی لڑکی نگاہ میں آئی، کھانوں کے اندر آئی، تھالیاں اس نے اپنے ہاتھوں سے چنگی کر کے کھڑی کے ایک کچی پر رکھ دیں، پھر اس نے ایک کمرہ دیکھ کر پاؤں چھڑا دیے اور اساتقی کو پر نام کیا اور پھر مرد دیکھ کر طرف منکر بہت آہستہ سے مراٹھی میں بولی: ”میں آپ دونوں کے لئے کھانا لاتی ہوں۔“

”یہ کھانیت کر کے کیا ضرورت تھی؟“ مرد بکریوں اور پھر اساتقی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: ”یہ واسن ہے جو روز ہونٹوں کی پڑ سے دھوئی ہے، اسی کو ہر روزی نے نوکری سے

جواب دینا ہے :

اسحاق اس پیار دہلی کو گھر سے دیکھنے لگے تو آنکھوں سے آنسو بہا کر کہنے لگا کہ میں اس کی ادھیل پر اس لئے دھنکارتی ہوں کیونکہ میں محبت ہوں....."

واسحق بولی : "بیٹھے مجھے دوبارہ لوکر رکھو کیا ہے ؟"

تو نے معافی مانگی ہوگی : "مردیکو نے افسردگی سے پرہیز کیا۔"

"نہیں !" واسحق پتا چڑی : "ہوش کے لوگوں اور دوسرے ہوش کے لوگوں نے ہڑتال کر دی ہے اور سچ کو ترنت ہی اپنا حکم واپس لینا پڑا ہے۔"

مردیکو کا چہرہ کھل اٹھا۔

واسحق نے ہاتھ جڑ کے کہا : "کیا ہاں کا ہاں۔"

مردیکو نے پوچھا : "اور کیا خبر ہے ؟"

مردیکو اور اسحاق کیا ہاں کا ہاں لے گئے ، واسحق انہیں خبریں سناتے لگی۔

"تمام ہوشوں کے علاوہ ہڑتال پر چلے گئے ہیں اور آپ کی ضمانت کے لئے روپیہ

اکٹھا کر رہے ہیں۔ بازار والے بھی آپ کی ضمانت کے لئے روپیہ دے رہے ہیں اور کل اٹھوں نے ضرورتی کے میدان میں ایک سبھا جلسہ لگایا ہے ، جہاں آپ کا بھاشن ہوگا۔"

رہو نہیں۔ یہ کھیل تو بہت عمدہ ہے۔ میں نے پوچھا ہے یا تو ہے ؟"

واسحق شرما کے بولی : "یہ میں نے پوچھا ہے اور مجھ پر یہ سب خوار کے

مارے بھی بھاگ گیا ہے اور جان بیکر کہ ہاتھ کا اب بھی والے ابو پر مقدمہ نہیں چل سکے گا ؟"

"واہ۔ یہ گوشت تو بہت عمدہ لگا ہے۔ کس نے پوچھا ہے ؟" اسحاق نے

خبر سے کھاتے ہوئے کہا۔

"یہ میں نے پوچھا ہے ؟" واسحق خرم سے بالکل دوسری ہو گئی : "مجھے گوشت پکانا نہیں آتا ، تو میں نے آئی مجھے ڈانٹا ، دوسرے گھر پر پکانے کی تو کیا صرف میرے ہی سر پر کی روٹی کرنا نہیں چیکے گی ؟ مگر میں کوئی سلاخ بھائی نہیں ہے تو کیا پکا کے کھلائے گا ؟ مگر میں نے کہا۔ مجھے نہیں آتا ، گوشت پکانا اب کے تو پکاؤ سے میں بڑا بے پروا ہو چکی ہوں گی۔ واسحق نے اپنا اٹل مال چرواہی کے ساتھ لے کر چل پھپھایا تھا۔

"ماں کے سامنے بہت عمدہ پکا رہا ہے ؟" اسحاق نے چٹا سے لپٹے ہوئے کہا۔

"ہوش میں تو ایک بار بھی ایسا گوشت نہیں ملا۔"

اس پر وہ ہنسنے لگے۔

حالات کا جذبہ ٹوٹا ہوا تھا ، اس لئے حالات میں نہ میری حالت تھی ، ایک ملگیا سا چاند بادلوں کے پیچھے سے کبھی کبھی نکلتا تھا ، دم دم ہی روشنی لے آتا تھا جس سے مردیکو اور اسحاق کے رخسار روشن ہوتا دھتے تھے وہ دونوں ایک دوسرے کے بہت نودیک کو کھینچتا دھتے تھے ، ایک کا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں تھا اور ایک کا جسم دوسرے کے جسم سے بڑا زبرد قیامت سے مس ہو رہا تھا۔ اور وہ دیکھے دیکھے ہی ایک دوسرے کو اپنی زندگی کی خوشن و شیرین داستانیں سناتے رہے۔

مردیکو کہہ رہا تھا۔

"اور یہیں جنگ سے واپس آیا تو کھانا کھانے میں نہ تھی۔ پہلے دن تو مجھے

گوئی میں کسی نے نہ بتایا، لیکن دوسرے دن پتہ چل گیا کہ کلا کا بیاد اس کے پاس ہے۔
پانڈو رنگ پھول والے سے کہہ دیا ہے جو کہانی میں رہتا ہے اور اگر کام روڈ پر شکار دوار کے
ناکے پر چلے جاتا ہے۔

دو چار دن گھر میں رہ کر بیٹھی چلائی۔ میرا ہی اپنے گھر میں ڈنگ۔ گوئی کی ہر گنڈی
جیسے بڑے قدم روک کر کھجے کو کرکھائی اور یہاں قدموں کے قاب و کھینک جاتا تھا
جو کلا کے تھے اور جن کی اس نے پہنا لی تھی اور جب میرا ہسپتال میں یہ کمزور پڑا تھا جب
انہوں نے میرا بازو کاٹ ڈالا اور میری ٹانگ کاٹ ڈالی اس وقت میں موت کے دہانے
پر تھی میں نے اپنے سینے سے وہی قدم پہنا لئے رکھے۔ اسحاق کی بات کہ جسے جو؟ میرا کیا
کہ رہا ہوں؟ انسان کیسے کسی کے قدموں کو اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہے؟

اسحاق کو بیل کے اچھے ہونے پر یاد آئے اور اس نے بھڑائی ہوئی آواز میں
کہا۔ "ہاں مجھ رہا ہوں، الفت۔" اسی کوئی کئی بات تھی جب میرا بیٹی پہنچا۔ شام ہو چکی
تھی۔ شکار دوار روڈ کے ناکے پر روشنیوں، جنگ، جی نہیں۔ پانڈو رنگ پھول والے
کی دوکان کے سامنے ایک کھلی کے گھجے کی کھوت میں رہ کر کلا کو دیکھنے لگا۔ گلابی
رنگ کی ساڑھی میں جیسا کہ پتہ گاہر شرع تھا، کوئی اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ موت کوھاگوں
میں چپا کے پھولوں کی ایک دھڑی پانڈو رنگی اور اس طرح اس کا مہر پاؤں کے انگوٹھے
باتھ کی پورنگ ایک کھلی کی طرح کھجھا ہوا تھا آ رہا تھا۔

"تم اس کے سامنے گئے تھے اس نے تمہیں دیکھا۔"

"نہیں میں اس وقت تک اس سے دیکھتا رہا، ذی کلا کو مجھے انہوں نے ایک پھول
والے سے بیاد دیا تھا۔ کوئی خوش اور خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ میں نے سوچا میں کیسے
اس کے سامنے ہاؤں، کیا کہوں اس سے۔ کیا اتنی دور سے اس سے کچھ کہنے کو ایک
شکار کرتے ہو۔ جب میں اس کے پاس سے گیا تھا تو پورا انسان تھا۔ جب جنگ

سے واپس آیا تو آدھا انسان تھا۔ میں نے سوچا تو مجھے پتہ چل نہ سکے گی اور جب وہ
میرے بتائے پر پہنچاں لے گی، تو میں شک ہوں سے دوسرے پاؤں تک لے دیکھے گی،
ہی شک ہوں کہ میں کس سے جا کر نکوں گا۔ میرے دل میں تو کلا کی ہر بات اور اس کی ہر جگہ
کے لئے جگہ ہے لیکن اس شکار کو کھنے کے لئے میں اپنے جسم اور دماغ میں کوئی ہی جگہ
نکالوں گا۔

"انت؟" اسحاق نے اس کا ہاتھ زور سے دبا دیا۔

"تخے میں دوا ہے کام سے قانع ہو کر پانڈو رنگ کی طرف خڑی پانڈو رنگ
جو خوبصورت تھا، میرا تھا اور پورا تھا اور ان دونوں کے ہاتھ پانڈو رنگ کے اور کلا کے
ہاتھ ایک دوسرے سے مل گئے گول گئے اور میں اب تک دوا تھا، کسی مرنے والے پر
ذکی ہسپتال میں، نہ زندگی کے سامنے، نہ موت کے سامنے اس وقت کلا کے انہوں
کو پانڈو رنگ کے ہاتھوں میں جاتے دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ اور میں اسی کھجے
کی کھوت میں ایک دروازے کے درجہ پر تھی کو کلا کو دے لگا۔ اور میرے آنسو ختم نہ سکے۔
اور دروازے کے پر کی پٹھانوں میں اور دل میں کھجے کھجے سے ہوجانے گا۔"

"تم مجھے پوچھتے ہو، مجھے جنگ سے اس قدر نفرت کیوں ہے؟ خدا سوچ تو میں
جنگ نے میرے پاؤں سے روک پال چھین لی جس نے میرے ہاتھ سے محبوب کی
کو بھین لی انہوں سے گئے تو اب جنگ چھین لیا، میں اس کے خلاف دلاؤں گا تو کیا کلا کے خلاف
دلاؤں گا جس سے مجھے نفرت تھی؟ اسحاق نفرت خدا کا انسان سے نہ ہونی چاہئے۔ اس
کلام زندگی سے ہونی چاہئے جو اسے مجھ پر یادگار، غلط یا نادر بنا دیتا ہے۔

یہ ایک اسحاق کی ساڑھیوں میں تھا، جیسے اسے اس کو جواب مل گیا وہ جواب نہ دیا
وہ میرے سے غصہ تھا، اس کو جواب دیا ایک ایسی زندگی میں پانا پاتا تھا، ایک ایسے خیر ہے
سے ماسن بنا پاتا تھا، جس کی طرح مجھ پر یادگار اور پتا ہے وہ جواب الفت نے اپنی

کی جانب دوڑ گئے۔ گلو ایسٹ نے اس کا بازو تھام کر کہا: "اگر ہمیں اصرار ہو سانس کے دلو سے شیش کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔"

"میں تو ابھی اپنی دنیاؤں کو اسحاق کوٹھنی سے بولا، کیا یہ بھی پیشہ کا حکم ہے؟" ایسٹ نے کہا: "نہیں۔ عمر یہاں جتنے دن جا رہا ہے، مگر مجھے تو جانا ہوگا۔" صبح کی گاڑی سے، اور اب اس نے اپنی گاڑی کی گھڑی دیکھ کر "ب گاڑی کے آنے میں صرف تین گھنٹے باقی ہیں۔ میرا سامان و فرنگ روم میں رکھا ہے۔ وہیں چل کر باتیں کریں گے اس نے انت مروجہ کی طرف دیکھا اور پوچھا: "تمہارے پاس وقت ہے؟"

انت مروجہ نے بڑی جھنجھکی سے سر ہلایا مگر اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

شیش کے فرنگ روم میں کوئی دستا، ایک بڑی میز، چار گرسل ایک طرف ایسا کاٹھورا سا سامان، چھت کو کھٹا آہستہ چل رہا تھا۔

ایسٹ نے کہا: "اس وقت چائے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔"

"سات گھنٹے ہیں، اب تو چائے والا بھی اپنی دوکان بند کر کے سو رہا ہوگا۔"

انت مروجہ نے کہا: "چائے والا میرا دوست ہے، سوئی رہا ہوگا تو میرا سے چمک کے چائے خواہتا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے بعد چائے آگئی۔ پتالوں پر سے گرم گرم مہاپاشنی ہوتی، بیروں پر اطمینان کی چمک آتی، ایسا اسحاق اور مروجہ کی لپٹی لپٹی کمرسوں پر قریب کھڑا ایسا اپنی بیوی کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر اسے اپنی جھیل میں آہستہ سے گھماتے ہوئے بولی: "چائے کتنی اچھی ہے، کتنی دور سے آئی ہے، کتنے دور کے ملکوں تک پہنچی ہے۔ کتنے ہی ملکوں، نسلوں، زمینوں، فاصلوں کو متاثر کرنا اس کی رہاں پر وہی ایک فرخ فاکٹر آئی ہے، یہ بھی ہی چائے کی لپٹی۔"

مروجہ نے کہا: "چائے ملائی ہے، مگر ملائی کتنی کم کرتے ہیں، ایسا لے کہا۔ مہی ملک، نیاز، جو چیز کتنی کم کرتی ہیں، ان کی قوت غالب ہے۔ میری ایک مہی ہے وہ مہی برکت میں رہتی ہے اور میری ماں سکین میں رہتی تھی وہ شرقی مہی میں ہے۔ مرنے وقت میری ماں اچھلتی رہی کہ اپنی رہی، آخری دم تک سے اپنی زمین کے آسٹھنا فید رہی مگر ان لوگوں نے، چاہے وہ کہیں کے بھی ہوں، مگر وہ ملک چھوڑ کر گئے ہیں، انھوں نے ایک کتبہ کو دو سرے میں سے دھننے دیا۔ یہ ناانیدہ کی کٹھن کب تک انسان کے سینے پر لکھ دیا گئے، اور سے میرا کتنی بوں رنگ، نسل، قوم، مذہب اور ملک کے توفقات کو رہنے دو۔ ان کی مدد بندوں کو بھی برقرار رکھو، لیکن دونوں کو ملنے دو، کہیں تو ایک مشترک زمین، ایک طاقت رہ جائے جہاں مہیوں کے انسان سر چمک رہے ہوں، وہ جیتے اور مرنے وقت ایک دوسرے کو پروا دیکھ سکیں، اسی تو یہ چرچا دینے خلافتوں میں چھپا ہوا ہے کہ کبھی خلافتیں آتے تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، تینوں خاموشی سے چائے پیتے رہے پھر اسحاق نے آہستہ سے کہا: "بہت پریشانی ہوں اور میری لگن، کچھ نہیں آتا۔ میری طرف دیکھو۔ میرا نام اسحاق ہے۔ میرا نام رام مال نہیں ہے تو کیا اسی لئے میں تھار ہوں؟ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں۔ میں تم سے پوچھتا ہوں۔ اگر اسحاق مختلف ہے تو میرا بھی تو رام مال سے مختلف ہے، تو وہ مل راؤ بھی تو رام مال سے مختلف ہے۔ تو توں گلو بھی تو رام مال سے مختلف ہے؟"

انت مروجہ چپ رہا۔

اسحاق ٹھنٹے سے بولا: "میں مسلمان ہوں، میرا نام اسحاق ہے۔ میری بیوی اس ملک کی ہیں۔ میں پر میں نے قوت اور نشو و نما پائی ہے اور یہیں سے پاؤں گا، لیکن تم جانتے ہو، جب وہ ملک آگیا ہے، قربہ تاج، پھیلتا ہے، اور جہاں سے تو وہ صرف زمین کے اندر ہی نہیں رہتا، وہ وہاں کے اوپر آتا ہے اور آسمان کی طرف دیکھتا ہے اور اس کی شاخیں چاروں طرف پھیلنے لگتی ہیں۔ میری بیوی ہندوستان میں اور میرا

تھا بھی ہندوستان میں ہے۔ لیکن میں ڈال ڈال پات پات بہت سے ملکوں میں پھیلا ہوا ہوں۔ پاکستان میں اور ایران میں، مصر میں اور لبنان میں، مراکش اور تونس میں۔ اور ان سے بھی آگے بھٹتے ہیں اور روس، امریکہ اور جاپان۔ چین اور ملائیشیا۔ دیگر دیگر میں اپنے نام کی یادگشت نشانی ہوں۔ کہیں پر تو کوئی میرے نام پر ٹھہر جاتا ہے تو میرے دل کے اندر زخم پیدا ہوتا ہے اور پھر اس میں سے سسٹے لگتا ہے۔ میں پتھر نہیں ہوں میں ایک جاندار ہوں۔

لوگ اس چیز کو کیوں نہیں سمجھتے؟
ایسا لگے کہ یہ تو میں صرف اپنے نام سے پیار ہے۔
میں ۳۳ سماحق نے جسے تینوں سے کہا۔ اچھے ایسا اور مرد کی جن سنگوں اور لڑائیوں اور لڑائیوں اور سب لڑائیوں سب ناموں سے پیار ہے۔ لیکن میں اسحاق سے بھی بہت کرتا ہوں کیا اپنے نام سے پیار کرنا تقاری ہے؟
میں صرف اپنے نام سے پیار کرنا اور دوسرے ناموں سے نفرت کرنا تقاری ہے؟
مرد کی نے آہستہ سے کہا۔

”میرا نام ایک پھول ہے۔ ایسا پائے گی پھل کی طرف دیکھتے ہو گے ہوں۔
”تم نے بہت اچھی بات کہی۔ اسحاق نے ایسا کے ہاتھ کو پورا پورا۔ تم نے بہت اچھی بات کہی۔ اسی اچھی بات تو ان کے منہ سے نکلی۔ میں ایک اور یہ ہیں۔ لیکن یہ بات آج تک میرے ذہن میں بھی نہ آئی۔ اور اب تمہاری تمہیل سے کہنے میں پھول سے ذریعہ شائے میں عبدالحمید سالک، فیض احمد فیض، احمد زبیر غامدی، نعیم قاسمی، مختار عثمان، قزوینی، امین حمید، باجوہ، مسرور، محمد من سگری، مہلات، ممتاز حسین، شفیق الرحمن، میں سے ہر شخص ایک پھول ہے۔ ایک کتاب ہے۔ وہ ایک انسان کی ہے۔ یہ ان لوگوں سے کہیں نہیں ملایں گی پاکستان نہیں ملے گی۔ لیکن میں نے ان لوگوں کی کتابوں پر چھوئے ہیں۔ ان کے دل کی دھڑکن سن ہے۔ یہ مختلف سیاسی اور سماجی حضرات تھے۔ ہائے انسان ہیں۔ کوئی ایک

پھول کی دوسرے پھول سے نہیں ملتا۔ لیکن یہ سب پھول ہی تو ہیں۔ سب انسان ہی تو ہیں۔ سب میں ہی تو ہیں۔ تم جانتے ہو میں ایک اور یہ ہیں۔ اور جب جنگ زدوں ملکوں کے جنگ زد ہندوستان اور پاکستان میں جنگ کرنے کا وعدہ کیا کرتے ہیں تو میری دل دھڑکنے لگتا ہے میں سوچا بول گیا میں بد وقت کے میں لوگوں کے سینے پر چڑھ دوں گا۔ لوگ مجھے اپنی جان کی قربانی دے دیں؟ ذرا سوچو تو میں کس طرح کی غیب الٹا ہے۔ صرف اپنے وطن سے نفرت کرو۔ دوسرے تمام ملکوں لوگوں، مذہبوں، قوموں، انسانوں سے نفرت کرو۔ اور اگر موقع ملے تو بد وقت کے لوگوں کا سر کاٹ ڈالو۔ اور اگر کوئی ایسا کہنے والے کے سر پر پلٹ کھینچے گا تو اسے مار دوں گا۔ بد وقت کے اسحاق نے غصے سے سر جھٹک کر کہا۔ کبھی بھی تو مجھے یہی معلوم ہوتا ہے جیسے میں ایک گہری خندق میں ہوں۔

مرد کی نے اپنا آبی پاک اسحاق کے شانے پر رکھ دیا۔ اور جب وہ اپنی ہاتھ اسحاق کو اپنے شانے پر چھوئے تو وہ ایک ایک سے جھٹکا سا لگا۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے وہ اس گہری خندق میں اکیلا نہیں ہے۔ اس کا ایک ساتھی بھی ہے اس جنگ نہیں اس سے کہیں زیادہ خفہ اس کا ساتھی ہے۔ اسحاق کی شرمندہ سا ہرک چلپ ہو گیا۔

مرد کی نے کہا۔ مگر تمہیں سے یہ پلٹ کھینچ کر مٹی کے سر پر مار دینے سے کام نہ چلے گا۔ جنگ کے خلاف میں ذی ہندو بہت ہی پراس۔ مختلہ سے گھسی اور غصہ وہ طریقوں سے جاری رہی پائے۔ لوگ تو ہر ملک میں کہتے ہیں اور ان کے نام بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے تم نے نام لے۔ ان سے بھی زیادہ پیارے لوگ ان کے جنگ میں ہوں گے جنہیں کوئی نہیں جانتا۔ اور ایسے ہی پیارے لوگ تو ان کے ہر کرنے میں شب و روز لپکتے ہیں۔ اپنے ناموں، اپنے مذہبوں، اپنے کچھوں اپنے ہاتھوں کے ساتھ اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ وہ ایسی زندگی میں کو وہ پائے ہیں۔ انہیں گزارنے کا پورا پورا حق ہے۔ اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ پیلارم کے نام پر یا سوسٹوم کے نام پر یا کسی

ازم کے نام پر کسی مذہبی یا ملکی مفاد کے نام پر اس کے سر پر بددوق لکھ کر پڑھ دوڑے۔ اصل سوال یہ ہے، وہ یہ کہ کون سی انسان کے ہاتھ سے بددوق چھین لی جائے تو اس کے ہاتھ میں ایک پھول دیدیا جائے۔ تم ہانتے ہو جب ایک انسان ایک پھول کے کاپتے کسی دشمن سے لہنے کی بات کرتے ہو تو جی الحق معلوم ہوگا۔ ہو گا کہ نہیں؟

اسحاق چہنے لگا۔

مرد میرے کہا۔ مگر یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بددوق چھین کر اس کے ہاتھ میں پھول دے دینا۔

اسحاق نے اسے کاٹھ پلک کر ایسا سے کہا۔ تم چل جا رہی ہو۔ وہ تم نے سب سے اعلیٰ لڑائی میں کے سامنے کوا بشارت کیا ہے۔

وہ پر وگرا مگر تو تھوڑی پلیٹ نے ہلکا سا اب تم اکیلے جی اس آتش کو دیکھو گے۔ تاج کرک ہاتھ۔ اسحاق نے کہا۔ کل چل جانا۔

”فہیں۔ مجھے آتی ہی جانا ہو گا۔“

”ایک دن میں کیا فوق چڑھائے گا۔“

”نہیں۔ تاج ہی ہاؤں گی۔“

”اچھی ترشام کی گاڑی سے چل جانا۔ آج میں نہیں ایک دن میرے لئے۔“

”نہیں کہ رہا میں۔ چند گھنٹوں کی بات ہے۔“

”نہیں۔ میں تو اسی گاڑی سے جاؤں گی۔“

”چڑی تھڑی ہو۔ اسحاق نے سکڑا کر کہا۔ مگر ایسا بالکل سکڑا رہی تھی۔ اس کو

پھر وہ حق خدا اس کے ہونٹ اندر کو چھپے ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں کی پٹلیاں سکڑ گئیں اور اسحاق بالکل دیکھ لے گا کہ اس سے نہ تو نہ ہو۔ میں نہیں بات کہہ دی۔ وہ ایسا کواں تھرا نہ لگا رہی۔

اس نے ایسا سے پوچھا۔ ”بھئی۔ میں نے کیا کوئی ایسی ہی بات کہہ دی۔ جو تم نے میں کو لکھا۔ اس بات تو مجھے معاف کر دو۔“

ایسا بول رہا تھا۔ ”تم نے تھوڑے سے طریقے پر مجھے کسی واقعے کی یاد دلادی۔“

ایسا بہت دیر چپ۔ جی۔ اچھی چاروں طرف سنا تھا۔ اچھی پرکھنی تھی۔ میں کوئی گاڑی میں ڈالنے والی تھی۔ اچھی سسٹیشن پر مکمل خاموشی تھی۔

ایک ایسا لے کہا۔ ”کچھ کچھ مجھے معلوم ہوتا ہے۔ یہ میں کا سسٹیشن ہے۔“

”ہاں۔ اور میرا تندرک گاڑی کا انتظار کر رہے ہیں۔ جنگ کے دوران میں میں نے نہیں بتایا کہ یہ انعام دے دیں۔ ہم۔ دونوں بڑی تھکی سے جگہ کر پڑیں۔ پتلی لگے تھے۔“

”یہ ہی بات نے تو میں سے ساتھ آنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن میرے خاوند کے ماں باپ پر کچھ بددی تھی۔ اس نے وہ ہمارے ساتھ تھے۔ جب خطے کی مدد پار کرنے کا موقع آیا تو جگہ ہماری مدد کر رہے تھے۔ انھوں نے ناز میں سے بچانے کے لئے میں

دو دو کے ہانٹے نہ حدود سے باہر کھینچا۔ پہلے میں میرا ہاتھ پورے پانچ کروڑ دوسرے دن فلاں گاڑی سے میرے شوہر کے ماں باپ میں پڑیں۔ پتلی ہانٹے گئے اور میں دونوں کو

بچنے کے لئے فلاں وقت سسٹیشن پر پہنچی جاؤں گے۔“

”پانچ دو سب سے دن ہم لوگ وقت پر پہنچ کر سسٹیشن پر گاڑی کا منتظر کرنے لگے۔ لیکن اس روز وہ گاڑی نہ آئی۔“

وقت گزر گیا۔ مگر نہ پتلی گیا۔“

”مجھے یاد ہے۔ میرا شوہر نے اسے تھڑا تھڑا کر بار بار آؤں گھنٹ کی طرف دیکھنا تھا۔ دو ٹکڑے میں کی تھی۔ میں تھی اور وہ بار بار انگوڑی کی طرف دیکھتا تھا۔ ایک گھنٹہ گزر گیا۔ دو گھنٹے گزر گئے۔ لیکن اس روز وہ گاڑی نہ آئی اور ہم بائیس ہو کر وہاں پہنچے۔“

اور سیدھا دھنسا ہوا اپنے کالج میں گس گیا۔ اندر ڈرائنگ روم میں جا کر اپنے صوفے میں
دھنس گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور اس وقت تک اس نے کوئی
اندازہ نہ کیا تھا کہ وہ اس کمرے میں کیلا نہیں ہے، جب تک ایک طرف سے آواز
نہ آئی۔

”یہ تک سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں بھئی۔“
اساقی نے پلٹ کے دائیں طرف دیکھا صوفے پر ملانی بٹھا تھا۔

اندھاب کا بچہ رنجی تھی، اور وہ بوٹ، موٹے اور سالوے کناروں سے تنگ اونچے میں
سے اس طرف لڑا سے کھلے ہوئے کادپر کے دو دانت صاف نظر آ رہے تھے۔ اس کے
بوٹ کبھی ایسے تو نہ تھے، پھر اس طرف کی کیفیت کا آئینہ تو کبھی نہ تھا۔ ملانی بد صورت تھا۔
مگر اتنا بد صورت تو کبھی نہ تھا، اس کے جسم اور روج کے خدو خال میں اس کی شخصیت کے
پر تو جس کی مضبوطی قابلِ حشرات تھے۔ مگر اتنا خیر تو وہ کبھی نظر نہ آیا تھا۔ آج وہ کچھ عجیب فرما
ہوا، مہربانیاں بول کر پورا یا ہوا سا دکھائی دے رہا تھا۔

یہ تک اساقی کے دل میں ایک نوبال، اور اس نے ملانی کا ہاتھ زور سے
پکڑ کر کہا: ”جیلڈ میریج سے کو ہے؟“

ملانی نے بولنے کا کوشش کی۔ دو ایک بار ملتوں اس کی گرج رہی اور پر سے
بچے تک گھوڑا، پھر اس نے ساتتے پہلانی پر سے اپنی کا بگٹ اٹھایا۔ اور اسے اپنے منہ
سے لگا کے خفاوت پانی پینے لگا۔

جب وہ پانی پی پڑا تو اساقی نے اور بھی گھبرا کر ملانی کا شانہ پکڑ لیا، اور اسے
جھنجھوٹے ہوئے ہلا۔ ”لو کتنے کبھی نہیں کیا ہوا ہے جیلڈ کو؟ صاف صاف بتاؤ۔“
ملانی نے کہا: ”بے بی باغل ٹھیک ہے۔“

اور جب اساقی کو جیلڈ کی غیریت کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس کے دل میں
دوسرا خیال آیا، اور اس نے فحشے سے ملانی کی طرف دیکھ کر کہا: ”جیلڈ بے بی نہیں ہے؟“
اس کی کمرنگلیں برس کی ہے۔“

ملانی نے کہا: ”میں اس کو اس وقت سے جانتا ہوں، جب وہ انیس برس
کی تھی۔ اور بالکل بے بی کی طرف بات کرتی تھی۔ میرے تو وہ ہمیشہ بے بار ہے گی؟“
اساقی نے ہر چھانے تم پہلی بار اس سے کیسے ملے؟“

ملانی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، اور اس کے دونوں پہلوؤں پر صبر چھپک

اس وقت اس پہلی نظر کے بارے میں اساقی کو ملانی کا چہرہ بڑا عجیب سا
معلوم ہوا۔

یوں تو ہر چہرہ الگ ہوتا ہے، منفرد ہوتا ہے، چہرے والے کی شخصیت کا
منظر ہوتا ہے، مگر اساقی کو ملانی کا چہرہ اس وقت بہت جلد عجیب، بہت ہی تنگ
بہت ہی منفرد معلوم ہوا چہرہ صرف شخصیت کا منظر نہیں ہوتا، وہ حالات کا اخبار ہوتا ہے
اور موڑ کا مضمون، اور خاص خاص موقعوں پر روح کی منزل کا پتہ بھی دیتا ہے۔ اساقی نے
بہت عرصے سے ملانی کی طرف دیکھا، جیسے وہ اسے آج پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ ”ستارہا چہرہ“
پہلی رنگ کو جسے دشمنوں پر چھپک کے خفیہ سے نشان، موتی، ناک، لبوں کے اوپر
عجیب طرح سے اٹھی ہوئی، گلی، منہوں کے اندر آنکھوں کی پکی پکی کیفیت کچھ عجیب سے

کے چلنے سے خارج تھے اور ان بندہ چٹوئوں سے اس کا چہرہ اور بگڑا ہوا منہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ کچنے لگا رہا تھا۔ آج سے چھ سال پہلے ہمارا جہاز عدن سے سربراہ لائیڈز کا تھا۔ بندہ گاد میں اترتے ہی ہمیں شراب اور عورتوں کی منسوب پڑی جب تو ہمیں دوسرے جہازی مسروں کا طہارت تھا جن کی ہر بندہ گاد پر ایک چوڑی ہوتی ہے۔ میں اس رات کو جہاز میں چار فانی ہوئی اس میں نے عورت کو دیکھا اسے ایک دلال لایا تھا۔ کہنے لگا ہالکائی ہے اور میں نے اس دلال کو جیل کے واسطے ڈنڈہ وصول کر دیا۔ اور رات کو جیل کے لیے لے گیا۔ یہ کیا دنیا میں کوئی مرد ایسا نہیں ہے جو ایک غریب عورت کی بددعا کا سکے؟ سچے ایسا اس نے مجھ سے کہا اور یہاں نے اس سے کہا۔ میں تیری عزت بچاؤں گا کیونکہ اس نے مجھ سے کہا کہ آج جسک کسی مرد کے پاس نہیں لگتی ہے اور گھوڑوں کی غریبی سے مجھ پر جو کچھ کے آج کی پہلی رات ہے۔

اس کی ہر رات پہلی ہوتی ہے؟ اسحاق نے فیصلے سے کہا۔

متم جھوٹ بولتے ہو۔ ملانی گریگن کہہ کر بولا۔ اس کا چہرہ ہلکا دم شرع ہو گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کا پھینکے اور وہ اس طرح وضع جہان نظروں سے اسحاق کی طرف دیکھنے لگا جیسے اسے کچا ہی کھا جائے گا۔

اسحاق نے اسے ٹھٹھا کیا۔ اس سے معافی مانگی، اچھا، جانے دو میں ملنے

لیتا ہوں۔ وہ کوارس ہے، باعصمت ہے اور کج کی طرح پاکیزہ ہے۔ اب گئے چلو۔

میں نے بی کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتا۔ ملانی نے آنکھیں نمکھ کے کہو۔ میں ہی نہیں کر سکتا۔ مجھے کہہ جا تا ہے۔ میں اس آدمی کو جہان سے مار سکتا ہوں۔ ملانی کی آواز میں گہرا ترس تھا۔ اس کی دہکرا اور مضبوطی کا اسے ملانی کی بات پر یقین نہ تھا۔

میں ۱۸۷۰ سے چھ سال سے جانتا ہوں۔ میری رات دوسرے پاس تائی تھا۔ کہنے کے لئے اس رات سے آج کے دن تک میں نے اس کی عزت کی ہے۔ اس کی آواز کو نہ بھایا ہے۔ پہلے میں اس سے چھ سال پہلے تھا۔ وہ اپنی ساس سے بھیج دیتا تھا۔ ہر چہ میں سکھائی ہوئے ہر آواز

مجھے ہمارے سونے لگے اور میں اسے نوسو روپے ہمارا بیچنے لگا۔ اور اب تک آج تک بیکار رہا ہوں۔ جگہ تو میں یہ غلیظ میں لے اسے لے کر دیا ہے۔ بے بی کو اپنا چنے کا بہت شوق تھا۔ میں نے اس کے لئے فانس ماسٹر کے کر دیا۔ بے بی کو اچھے کپڑوں کا اچھے فرنیچر کا بہت شوق ہے۔ میں اس سے کہا۔ بے بی آج سے میں نے اپنا ہاتھ تجھے دیا ہے۔ تو آج سے ہر شوق پورا کر سکتی ہے۔ اور تم نے تو اس کا گھر دیکھا ہے۔ تم جانتے ہو وہ کس خفا سے رہتی ہے۔ میری بی بی؟

اسحاق نے کہا۔ "میں نے اس کے بہت سے شوق اور بہت سے خفا دیکھے ہیں، تم جو کہتے ہو وہ سب سچی ہے اور وہ ہے مگر بڑی پیاری اور نہایت نرم لگا۔" میری بی بی دنیا میں سب سے گلابی عورت اور پیاری لڑکی ہے اس لئے

میں اسے نہیں بھول رہا ہوں؟ ملانی نے زور سے تپائی پر متحکم کر کے کہا۔ "میں ساری دنیا گھوما ہوں، ساتھ ہر کچھ تک ہو گیا ہوں۔ ہر ملک اور ہر بندہ گھوم چکا ہوں نے دیکھی ہے۔ مگر بے بی ایسی عورت دنیا میں ایک ہی ہے۔"

"اس میں کیا شبہ ہے؟ اسحاق نے آہستہ سے کہا۔ اب ملانی اسے ہر کر لے لگا تھا۔ چھ سال سے میں اسے ہسپتال رہا ہوں اس کی حفاظت کر رہا ہوں۔ عورت کو اگر سکھائے، آزاد کر لے، دولت لے، گھر لے تو وہ کچھ بد معاشی کرے گی؟ خنیک ہے نا؟ ملانی نے چوک کر اسحاق سے پوچھا۔

بالکل خنیک کہتے ہو تم؟ اسحاق نے سر ہلک کر جواب دیا۔

"میری بی بی ایسی نیک بہت لڑکی دنیا میں نہیں ہے۔" ملانی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اسحاق چپ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے کیا جیل کے حصار میں پھیل چکا؟

"نہیں، میں خود جیل آیا ہوں۔" ملانی نے ہلکے پھر پھر پرکھ لایا۔

اسحاق نے آہستہ سے پلان کو جگ تپائی پر سنا خاکریزے رکھ دیا۔ پھر اس نے ایک سگرت ملگایا ایک مٹائی کے خوشبوں دکھا۔ اور سگرت ملگاتے ہوئے بولا۔ "تصویر تیل سے کس طرح کی محبت ہے؟ تم نے کبھی سوچا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ تم جمید سے کس طرح کی محبت کرتے ہو؟ تم اسے ایک بھائی کی طرح پکارتے، یا ایک عاشق کی طرح؟ دونوں محبتوں میں بڑا فرق ہے۔"

سگرت چیتے چیتے مٹائی کے گھگھے میں چندا چڑ گیا۔ کھانسنے کھانسنے بے دم ہو گیا۔ اسحاق نے اسے پھر پلانڈیا یا۔ جب اس کی سانس کی آمدورفت خشک ہو گئی اور جب وہ تھکنا چڑا۔ تب بھی مٹائی نے اسحاق کے سوال کو کوئی جواب نہ دیا۔

اسحاق کو اس سے طلق پڑ پڑا نہ ہوئی۔ "میں تمہارے لئے ناشتے کا آرڈر دیدوں؟" اسحاق مولے سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بیٹھو۔ مجھے گرمی سے ایک بات کرنی ہے۔" مٹائی نے بچا ایک بڑی مٹی سے کہا۔ اور پھر ایک دم کچھ ہو گیا۔

اسحاق نے کہا۔ "تصویر جمید نے یہاں جیسا ہے؟"

"ہاں؟" مٹائی نے اس سے ٹھوس چلا تے ہوئے کہا۔ جمید نے مجھے سب بتا دیا ہے! سچے! سچے!"

"سب؟" اسحاق نے پوچھا۔

"ہاں سب کچھ! کیسے تم نے اس سے محنت کرنے کا کوٹیشن کیسے میری پہلی نے تصویر اٹھ کر دیا۔ کیسے تم نے اسے شرب چاکر اس کی عزت لینا چاہی۔ کیسے اس نے اپنے آپ کو بچایا۔ کیسے تم مجھ کو میری ٹیوٹیشن میں اس کے گھر کے پڑھ کو مٹے جھے اور وہ ہر بار تصویر اٹھواتی رہی، آخر تم نے اس سے شادی کی انتہا کی۔ مگر میری بے بی

زمانی اور اس نے قصیں دوڑاؤں دکھایا کیسے تم نے اسے سڑانے کی دھمکی دی۔ اور تم یہاں آ گئے۔ میری بے بی بڑی مدد ہے۔ اس نے مجھے سب بتا دیا۔ وہاں میں چاہتی کہ تم مرو یا کوئی بھی مرے اس کے لئے۔ وہ تمہاری جان بچانا چاہتی ہے اس نے مجھے یہاں بھیجا ہے کہ میں قصیں یہاں آ کے بگھاؤں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم رابرٹ ہو کر ایک عورت کی عزت لوگے۔ میں تمہاری بڑی عزت کرتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا، میں ایک سانب کو پاں رہا ہوں۔ سچے!"

"آپ نے مجھے نہیں بلا سڑا۔ اسحاق نے فحشے سے کہہ۔ میں آپ کی بے بی نہیں ہوں؟"

"میں نے تم کو شرب پلان کھانا کھلایا۔ تمہارا ایک خربوب صورت سے ٹھوکر کھنکھرایا۔ اور تم نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا؟"

مٹائی بالکل وحشت زدہ ہو کر کھلی پہنی ٹکا ہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسحاق کو نوٹوں ٹھٹھنے سے کھلنے لگا۔ وہ مولے سے اٹھ کھڑا ہوا اور کرتے میں ٹپٹپٹے لگا، مگر اس کا غصہ ٹپٹتا ہی جا رہا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے مٹائی کی طرف ٹھٹھا اور اس کے کندھوں پر بڑی سختی سے اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر بولا۔ تم، موتی دام مٹائی بڑے الحق ہو کہو دے الحق، قصیں کیا یہ معلوم نہیں ہے کہ محبت کچھ آرام، نگہ، فریجنگ، دو پیسے پیسے کے علاوہ کچھ اور بھی چاہتی ہے، وہ جو تم نہ دے سکے، جو تم دینا چاہتے تھے، مگر نہ دے سکے۔ بیج ٹوف میں آج قصیں بتا جا ہوں کہ تم دراصل ایک بھائی کی طرح نہیں ایک عاشق کی طرح اسے چاہتے ہو۔ مگر تمہاری محبت میں نہیں لیتی۔ کھتے بے دل تم نے اگرچہ تک عورتوں کو بندہ ہوں چہیلوں کا شرب کہہ تھو کی طرح خریدو اور اس طرح تم نے سچے سو ھیلے یا کھو دو ہے اباہد کے عموں ایک صورت کی محبت کو خریدنا چاہا۔ مگر تمہاری محبت نہ پڑی کہ تم اپنے آپ سے انکار کر کے کہہ سکتا تھا چلتے ہو۔ ہر وہ تمہارے وہ بے لپیٹ ہے

اور مراد خدا جل جلالہ کا چٹا گیا اور اندر میں اندر بند ہو گیا اور تم سے باہر نہ لگا سکے۔ اور تم نے اپنے تخیل میں ایک صورت کے بھاگے ایک بے باک، ایک بچہ ایک معصوم دیوی کی تصویر لکھوائی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قصاری بے باک، قصاری جیلد ایک بے باک نہیں ہے بچہ نہیں ہے۔ معصوم دیوی نہیں ہے۔ کلہاڑی نہیں ہے، وہ اس وقت بھی ایسی نہ تھی جب وہ انیس سال کی تھی، اور قصار سے پاس پہننے کے لئے آئی تھی، وہ اس رات ہی اسی نہ تھی، جس رات تم نے یہ افتخار اس سے سکرایا۔ آج میں تم سے کہتا ہوں کہ وہ تم سے چھ سال تک جھوٹ بولی آئی ہے اور تم بھی چھ سال تک اپنے آپ سے جھوٹ بولتے آئے ہو۔ ۱۰ اپنے آپ کا قریب دیکھتے آئے ہو اس میں جیلد کا آنا تصور نہیں ہے، تم نے خود بارہ چھ سال سے اپنے آپ کو قریب دیکھ کر دکھا کر یہ قصاری تانکھوں سے اس قریب کا پردہ چاک کرتا ہوں، میں نو، میری زبان سے میں نو قصار ہی جیلد سوگ کی دیوی نہیں ہے۔ میری موتی لام ستانی کھنڈہ انجینئر میں میں نظر میں آج تم سے کہتا ہوں، قصاری جیلد اتنی ہی پاک و صاف ہے جتنی وہ عورت جو ہر رات ایک نئے مرد کی آغوش میں سو جاتی ہے۔

ملانی نے پانی کا گلاب اٹھایا اور اسے زور سے اساقی پر کھینچا۔ ۱۰ اساقی ذرا گھوم گیا اور کافی کا گلاب دیا اسے گلاب کرک زور دیا دھننا کے سنگڑے نکالے ہوئے ہو گیا دھننا ایک کرسی کا ٹکڑا اسے مارنے والا تھا کہ اساقی نے اسے پکڑ لیا۔ مگر ملانی دیر انداز وار سے پھینکے گا اور اس وقت تک اس نے اساقی کو پھینکا نہ تھا، جب تک اساقی نے اس کے جیڑے پر زور سے ایک گونسہ نہ دیا۔ گونسہ گھا کر ملانی زور سے پکڑا کہ اساقی کے بستر پر گرا اور گرے ہی اس کو بدن توڑ پھینکے گا۔ چہرہ نہ تھا، اس نے وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپایا اور سسک سسک کر رونے لگا۔ وہ اس طرح رو یا جیسے اس کی بدن کا بندھن توڑ گیا ہو، وہ اس طرح گڑا کہ جیسے کسی جانور کے گلے پر تھاب سے چھری سکوی ہو، وہ اس طرح جتنا جیسے اس کے ریح آسانی کر پانا ہو اور کافی کے گلاب کی طرح ٹوٹ کر پڑی

کر پی ہو گیا ہو۔

اساقی نے اسے کچھ نہ کہا، اس نے اسے رونے دیا۔ وہ زمین پر جھک کر اساقی کے ٹھنڈے پتھر بارواں خیمیں کشا کر کے اس نے ایک دوکان میں بند کر دیا۔ چہرہ نے بے اقتدار میں ہانکا اپنے باہر دو سوئے اپنا منہ صاف کیا پھر وہ اس ڈرنگ دھم میں انگر سوئے پر بیٹھ کر سگرت پینے لگا۔

ملانی اب تک اس کے بستر پر لاؤ بھاڑا تھا۔ مگر اس کی سسکیاں بند ہو چکی تھیں۔ اساقی بہت سے اپنے سوئے سے اٹھا اور اپنے بستر پر جا کر بیٹھ گیا۔ اور ملانی کی خوش پرواہی بھرنے لگا۔ دھیرے دھیرے ملانی نے کروٹ لی اور سیدھا بکھر کر پڑ گیا، اساقی نے اپنا انکیاس کے سر کے نیچے رکھ دیا۔ ملانی اب سسک نہیں رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں سے اب تک تنکواں رہے تھے۔

ملانی نے لیٹے لیٹے آنکھیں بند کئے ہوئے اس سے کہا: یہ رات کس نے مج سے شادی کرنے سے انکار کر دیا؟

بڑی دیر تک خاموشی رہی آخر اساقی بولا۔

”انکار کیا اور تم بھی؟“

وہ بولی: تم مسلمان نہیں ہو، اور تم میری نہیں ہو اور تم غاصورت نہیں ہو۔

اس نے مجھے تم سے محبت نہیں ہو سکتی؟

”تو۔۔۔ اساقی پر پھینکے گا۔ تو۔۔۔ بہت میں کیا یہ ضروری ہے کہ

آدمی مسلمان ہو وہ ہندو ہو، سکھ ہو، وہ قصیر ہو، پانچنی ہو، آری سماجی ہو، یا گنیر فتنی ہو۔

اس کی ایک کہ ہو، چار دو سو تلووار ہو، چار اساقی سے جتن تاک ہو، اور سیدھا سیدھا سا

سے کم چٹا نہ ہو۔

پھر تو یہ محبت نہ ہوئی؟ اساقی سوچنے لگا۔ یہ تو کینٹ کی پوری ہوئی، ملانی لان

کی سزا دی ہوئی، انوکھی اڑیوں کا سیٹل ہوئی۔ مگر شاید کچھ لوگ محبت بھی اسی طرح کرتے ہیں، جس طرح دوسرے جانوروں کا جو خاصہ کرتے ہیں۔

اس طرح اسحاق نے سوچا۔ مگر ملتانی سے کچھ نہ پایا۔ ملتانی کا بیڑ سوچ گیا تھا اور اس کے بولٹوں سے پہیہ نکلتا تھا۔ اسحاق نے سوال سے اس کے لبوں کو صاف کیا۔ وہاں روانہ لائی۔ اور وہ سب کام دھیرے دھیرے سے خاموشی سے کرتا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ملتان ہسپتال سے اٹھ بیٹھا۔ اور پورا صبح میں جاؤں گا۔
 کیاں؟

تھوڑی دیر تک غلطی چپ رہا۔ ایک شدید ذہنی کا احساس اس کی آنکھوں میں نمودار ہوا، مگر دوسرے لمحے میں خاموش ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا: میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اب میں ایسے نظام کی عطا دست ترک کروں گا۔ اور باہر کے کسی جہاز میں نوکری کروں گا۔ ایک سافٹ ویئر کی جہاز پر مجھے فرسٹ انٹرنیٹ کی عطا دست مل رہی ہے۔ سولہ سو روپے کی۔ وہ میرا بے غشور کروں گا اور اس کی پہلی شناختی گا۔ ہاں سہوہ پہلے کی طرح بارہ سو روپے سے کی کوئی عطا دستوں گا۔

۔ سب کچھ جانتے ہوئے جس پر اسحاق لے پڑا۔

”سب کچھ جانتے ہوئے بھی۔۔۔“ مولا نامہ مرقا نے آہستہ سے کہا۔
 ”یہ آہستہ سے کہہ

حقائق میرے سے ملنے والی دیکھو۔

ملتان بولا۔ جو کچھ تم نے کہا، جو کچھ ہے بنائے گا۔ جو کچھ لوگوں نے کہا، جو کچھ ان چھ سالوں میں میرے وطن نے کہا، اس کے باوجود میں میرے وطن میں میلے گا جو تصویر ہے، وہ تو وہاں ہی ہے، وہ تو وہاں ملے گا، سنجہ۔ انکا کمر ملتان بستر سے اٹھ کھڑا ہوا، اسحاق کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے مسکرایا۔

اور جب وہ مسکرایا تو ساقی جواب تک کہنے کو نہ سمجھ سکا تھا اب جیسے بہت کچھ کھرا گیا۔ یہ ایک اس شخص کی مسکراہٹ تھی جسے پہلی بار ساقی کی نظر میں تھا کہ وہ چہرہ بدل دیا۔ وہ اس کے بصورت پر ہنسے کو چاہتے ہوئے تھا اس کے اندر سے ایک خوبصورت چہرے کو ابھرنے کو دیکھ رہا تھا ایک ایسا چہرہ جس میں رومی کی عظمت، راجنیک کی وفا اور مینوال کے زیور گھلے ہوئے تھے۔ یہ صدق و صفا، یہ بہرہ و وفا، یہ ایک بے گناہ ہے گناہ۔ پاکیزہ ہی پاکیزہ دل ہے سے نمودار شریفانہ حرمت۔ کوئی کہتا ہے سچ چہرے وہ طرز و صانع ہو تو وہ نہیں کوئی کہتا ہے..... !!!

اسحاق کی آنکھوں میں خوشبو چھینے سے گئے۔ وہ اسے کچھ کہہ نہ سکا۔ اس سے ہاتھ نہک نہلا سکا۔ ملتا ہی لے اچھی ٹوپی اٹھائی۔ اسے اپنے سر پر نہک نہلا۔ ایک بار پھر بھی بھیجی۔ شامی ہی نہک نہک سے اسحاق کی طرف دیکھا اور گورنر مزی میں مبتلا۔

اور نے ذرا سی ٹوپی اور پیراگراف، اسحاق کو سلام کیا اور باہر چل گیا۔

اسحاق اس کے پیچھے پیچھے برآمدے ٹنگ گیا۔ مگر اس نے اس سے کچھ کہا نہیں۔
اسے معلوم تھا کہ ان کے بعد وہ ان لوگوں کو دیکھ سکے گا۔ مگر چند دہائیوں میں اس کی محنتیں
دور سے گئیں۔ مگر ساحلوں پر اس کا دل بیقرار ہو کر گھر سے گھر۔ کئی سالوں اور بیویوں کی بچی
پر تیار ہو گیا۔ اسے ثابت آئے گی۔ اور وہ کوئی غم نہ ٹھن سکے گا۔ اور کوئی امید اس کے لئے
باقی نہ رہ جائے گی اور پھر بھی وہ محنت کرتا جائے گا۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو کچھ
کہتے نہیں۔ جو کچھ حاصل نہیں کرتے اور کچھ پاتے نہیں اور اپنی زندگی کا سارا اندھ وقت
بیک بیٹھتے ہیں اور جیتے ہیں۔

۱) افعال کا کون سا چارہ، زبان کا کون سا پیرچہ بیان - فلسفے کا کون سا آغاز و ثمر ہے

قہجنت ہے، زندگی ہے، کو کوئی ملک ہے، زندگی ہے، کو کوئی قوم ہے۔ کوئی مذہب ہے اور کوئی سماج ہے۔ اس کے چہرے ہیں، شرے اور بنگلے ہیں۔ اور زندگی نہیں ہے، کو کوئی کچہ نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس دھرتی پر اس زندگی کی جیشہ حفاظت کریں گے۔

ہزاروں گھنٹوں سے زندگی سے محبت کی سدا بہت چڑی۔ اس نے تیشہ آسمان کو گونجا دیا۔ بیکو یک قریب کے ایک ٹیلے پر دو رنگ و دو رنگ ہلانی جہر نو دار ہوئے۔ ایک مرد اور ایک عورت۔ جو کے سوچے، اندا سٹوں، اور شوش کی جڑیں کو دکر کھانے والے۔ وہ ملحق پر ایک سیاہ لڑکی طرح کھڑے تھے اور محبت سے اس لڑکی کو نکلتے تھے۔ انھیں دیکھ کر سماج کو خیال آیا۔ بے زندہ رہنا ہو گا۔ صرف اپنی اپنی ہزار سالہ جذبہ کو بچانے کے لئے نہیں، اپنی دس ہزار سالہ بربریت کو مٹانے کے لئے ہیں۔

پھر سماج کے دل میں ایسا کے ظہور کے ماں باپ کا خیال آیا، اور اس نے سوچا مجھے زندہ رہنا ہو گا، اس ایک تربیت کو واپس لانے کے لئے جو ابھی ہوس کے استیشن پر پہنچیں۔ پھر اس کے دل میں حق کی بے غرض محبت کا خیال آیا اور اس نے سوچا اس کھلے آسمان تلے، اس بلند محبت کی کراہ تلے، خود کشی کن محبت کی سب سے بڑی توجہ ہو گی۔

● کرشن چندر میں سب سے مقدم چیز ان کا سفوف نقطہ نظر ہے۔ وہ سب سے پہلے ہی کرشن چندر ہے اور سب سے آخر میں کرشن چندر اس نے مخصوص طریقہ نقطہ نظر کو اپنے آؤ پر خاص نہیں بننے دیا۔ نہ تو پر ولایت کو، نہ جنس کو، نہ ولایت کو، بمع اترتی پسندی کو نہیں دیا۔ وہ زندگی کو کھیلنے کے لئے اس مخصوص رنگ کے شیشوں کی مدد نہیں لیتا، اس کو اپنی آنکھوں پر پوچھا ہے۔ اس کا افسانہ زندگی کا ایک ذاتی اور بلا واسطہ تاثر ہوتا ہے۔

— عفتہ حسنہ حسنہ —

● "ن" اور وہ پہلا اظہار کی اہمیت اتنی ہی ہے جتنی سواد اور موضوع کی۔ یکساں میں تو ایسا جاہلوں ہے کہ کبھی کبھی یہ ولایت کی عظمت کا پردہ چھڑائی جاتا ہے۔ اور زبان و بیان کے رسیا اسی کے چند گزشتہ کی مست ہو جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ نہ تو تنہا اسلوب پر فن کی عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے نہ احساس کو نظر انداز کر کے کرشن چندر افسانہ نویسی کے اس ہم ترین تجربہ صرف واقعہ ہیں بلا اس کو کھینچ کر دیکھتے ہیں۔

— مستعد احتشام حسین —

● کرشن چندر اندھے سراسر شاعر تھا، اس نے اپنے افسانوی طاموش کی شمع جھانے کی کوشش کی مگر اس میں ناکام رہا، اور آج بھی جو ان کا کام اور اس کی محنت اپنا نیست اور فنا ہے اس کا افسانہ کھنچ کر لیتے ہیں۔

— مستعد احتشام حسین —

● "وہ اپنے خوبصورت انداز بیان کے خود ہی نمونہ اور خود ہی فاقہ ہیں، ان کے شامل کا مگر غریب کیا جا تو صحت برتی ہے، کاش میں ایسے دن مرا ملے، ملے میں جو قوماں ایک ٹکڑے کی جڑ سے تھیں، ان میں شوق و مان اسرار اور حقیقت جڑاں ایک لیا منصر بہ جو زبان کے حق میں نہ ہو قائل نہ کیے، اور زبان وہ منصر بہ جو حقیقت کو تباہ کر دیتا ہے، لیکن کرشن چندر کا اسلوب بیان میں وہ نہ صرف اپنے ہمسایوں کی طرح سب سے نہیں بلکہ ایک ٹکڑے کے ساتھ کھنچے ہیں۔ کرشن چندر قد سے ایک شاعر کا دل ایک فلسفی کا دماغ اور ایک مہا بدھ کا جگر ہے کہ پیدا ہونے سے یہ نظر پر اشتراکیت کی خوش متوجہ تھی کہ اسے کرشن چندر ایسا بہتر اور وسیع ملا ہیں کہ اس کی اس کے تشکک اور تنبیہ دہ فلسفہ کو اس دیکھتی اور دھانی کے ساتھ پیش کیا کہ وہ مگر شیا کی رہا ہی اور شہرہ نقطہ سے بھی زیادہ دل آویز نظر آئے گا۔"

— کنہیا لال کیپور —